وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ :(سورۃ الجاثیہ)
ترجمہ: ساتوں آسمان اورزمین میں بڑائی کا حق صرف اللہ ہی کیلئے ہے:
تکبر
ایک وبال ہے
مرتب
حضرت
مولانا محمد علاء الدین قاسمی حفظہ اللہ
ناشر: خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور دربھنگہ (بہار)

طبع اوّل ۱۴۴۰ھ - 2018ء

نام کتاب : تکبر ایک وبال ہے

مرتب : حضرت مولانا محمد علاء الدین قاسمی

کتابت : عبداللہ علاء الدین قاسمی

صفحات : 156

قیمت : 100/=

ملنے کے پتے

خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور دربھنگہ (بہار)

حضرت مولانا عبدالمجید صاحب قاسمی صدر: مدرسہ دارالعلوم محمودیہ سلطانپوری (دہلی)

KHANQUAH ASHRAFIA

Maktaba Rahmat E Alam Rahmani Chowk Pali

Ghanshyampur Dist:Darbhanga (Bihar)

E-Mail: Abdullahdbg1994@gmail.com

Mobile: 7654132008

Mobile: 7631355267

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت مولانا ڈاکٹر **شیر افگن** صاحب ندوی مدظلہ العالی

مدرسہ عالیہ عرفانیہ عبدالعزیز روڈ چوک لکھنؤ (یوپی)

حامداً ومصلیاً اُمابعد! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تکبر اور گھمنڈ انسان کی انتہائی رذیل صفت ہے، متکبر انسان نہ تو اللہ کو پسند ہے اور نہ بندوں کو، ارشاد باری ہے **"إنه لا يحب المستكبرين"** (بیشک اللہ نہیں پسند کرتا ہے گھمنڈیوں کو) دوسری جگہ فرمایا **"فبئس مثوى المتكبرين"** ابوداؤد، ابن ماجہ (کتنا برا ٹھکانہ کے تکبر کرنے والوں کا) حدیث قدسی ہے **"الكبرياء ردائي فمن نازعني ردائي قصمته"** (اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ تکبر میری چادر ہے تو جو میری چادر کے لئے مجھ سے نزع کرے گا میں اس کو توڑ کر رکھ دوں گا)

ان نصوص سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انسان کو تکبر کا حق نہیں ہے چاہے وہ جاہ ومال حسن ولیاقت کے اعلی ترین مرتبہ پر ہی قائم کیوں نہ ہو، لیکن اس کے باوجود ناسمجھ انسان اس چادر کو اوڑھنا چاہتا ہے جو اس کے بدن کو راس نہیں آتی اور اس طرح خود کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے، کبر جہاں ایک طرف انسان کو اخلاق حسنہ کے محاسن سے محروم کردیتا ہے وہیں دوسری طرف اسے اللہ کے غضب کا سزاوار بھی بنادیتا ہے، اس کے برعکس تواضع اور انکساری انسان کے ایسی صفات حمیدہ ہیں جو خوبصورت زیور کی طرح اس کے بدن کو زیب دیتے ہیں اور متواضع انسان اللہ کی خاص عنایت کا مستحق ہوتا ہے، ارشاد نبوی ہے **"من تواضع لله رفعه الله"** **مشكوة المصابيح** (جس نے اللہ کے لئے تواضع اختیار کیا اللہ اس کو بلند کردیتا ہے) یہی وجہ ہے کہ متواضع انسان اللہ کے بندوں میں محبوب ہوتا ہے اور وہ ان کے دلوں میں جگہ بنالیتا ہے۔

محترم مولانا علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ کی زیرنظر کتاب ''تکبر ایک وبال ہے'' خود اپنے نام سے اپنے مشمولات کی نشاندہی کررہی ہے موصوف نے اپنی اس تالیف میں تکبر کی شناعت کو اپنی کاوش کا محور بنایا ہے اور کتاب میں اس سلسلہ کے نصوص اور اقوال سلف کو بڑے سلیقہ سے یکجا کر کے موضوع کے ہر پہلو کو سمیٹ لیا ہے، مولانا نے تکبر کے مضرات پر بھرپور مواد فراہم کیا ہے اور اس مہلک مرض سے خود کو بچانے کے لئے جو طریقے اسلاف نے بتائے ہیں ان کو بھی کتاب کا حصہ بنایا ہے تاکہ سمجھدار انسان اس سے فائدہ اٹھا کر خود کو تباہی سے بچا سکے، مولانا کی یہ کتاب اصلاح نفس کے لئے بنیادی زینہ کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ دیگر مدارج تو اس کے بعد ہی آتے ہیں،

یقیناً مولانا علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی نے اپنی اس گرانقدر تالیف کے ذریعہ اردو داں طبقہ کو ایک بیش قیمت تحفہ عطا کیا ہے جس کی منفعت سے خاص وعام یکساں طور پر مستفیض ہوسکیں گے اور اس میں بیان کردہ نصوص واقوال کی روشنی میں اپنے نفس کا جائزہ لیکر اس کے اندر پائے جانے والے تکبر اور ریا جیسے امراض کا شافی علاج کرسکیں گے۔

ہماری دعاء ہے کہ اللہ مؤلف کی اس کوشش کو محض اپنی رضا کے لئے قبول فرمائے اور اس کو نافع خلائق بنائے۔

شیر افگن ندوی

۲۵ صفر ۱۴۴۰ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقریظ

حضرت مولانا عاشق حسین صاحب مدظلہ العالی

مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور (دائرہ شاہ علم اللہ) تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

اسلام ایسا کامل اور مکمل دین ہے، جس نے زندگی کے ہر میدان میں انسانوں کی مکمل رہنمائی کی ہے۔

اس کی تعلیمات کا ایک اہم باب اخلاقیات ہے، اور وہ اپنے ماننے والوں سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اچھے اخلاق واوصاف کے حامل ہوں، اور بُرے اخلاق وکردار سے دور رہیں، اخلاقی بُرائیوں میں سے کوئی بُرائی ایسی نہیں جس کی کتاب وسنت میں مذمت نہ کی گئی ہو، اور اچھے اوصاف سے کوئی بھی ایسا وصف نہیں کہ جس کے بارے میں ابھارا نہ گیا ہو، ان ہی بُرے اخلاق ورذائل میں سے ایک اہم اور خطرناک وصف تکبر ہے، اور یہ نہایت خطرناک اور مہلک بیماری ہے، جو منکرین کو اللہ کے غیظ وغضب اور عذاب کا مستحق بنا کر اس کی عاقبت کو خراب کردیتی ہے، یہ ایک ایسی بیماری ہے، جو انسان کے اخلاق وکردار کو گُھن کی طرح کھاجاتی ہے، یہ ایک ایسا مرض ہے جو اپنے ساتھ دیگر کئی بُرائیوں کو لاتا ہے، اور کئی اچھائیوں سے آدمی کو محروم کردیتا ہے، تکبر کی ہی بنیاد پر شیطان کے گلے میں لعنت کا طوق پڑ گیا، اور وہ جہنم کے عذاب کا مستحق ٹھہرا۔ انسان علم ومعرفت عبادت وریاضت اور کبھی مال ودولت، حسب ونسب کے نشہ میں اس مرض کا شکار ہوتا ہے تو کبھی حسن وجمال، کامیابی وکامرانی طاقت

وقوت اور عہدہ ومنصب کی بنیاد پر وہ متکبر ومغرور بن جاتا ہے، حالانکہ اگر انسان اپنی ذات پر غور کرے اور اپنے نفس کا محاسبہ کرے تو اس کے سامنے یہ حقیقت عیاں ہوجائے گی کہ وہ کس قدر بے بس اور عاجز ہے، کہ وہ اپنی بھوک وپیاس ،خوشی وغم ، بیماری وصحت کا ذرہ برابر بھی اختیار نہیں رکھتا ،تو اسے چاہئے کہ ہمیشہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے اور اپنی حقیقت کو بھی فراموش نہ کرے ،وہ اس دنیا میں ترقی کے منازل طے کرتا ہوا کتنے ہی بڑے مقام ومرتبہ پر پہونچ جائے اللہ رب العزت کے سامنے اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں ، بلکہ اس کی یہ بڑائی اس کے لئے وبال جان بن سکتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ آگاہ ہو جاؤ،تمہارے سینے میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، اگر وہ درست اور صحیح ہے تو تمہارا سارا جسم صحیح ہے، اور اگر اس میں خرابی وفساد پیدا ہوگیا تو سارے جسم میں خرابی اور فساد پیدا ہوجاتا ہے۔

چنانچہ اسی سلسلہ میں میرے محسن ومربی حضرت مولانا علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی نے تکبر جیسی خطرناک اور مہلک بیماری کی طرف نہ صرف نشاندہی فرمائی ہے، بلکہ اس کے علاج ومعالجہ کی طرف بھی مکمل رہنمائی فرمائی ہے، اور نہایت ہی عام فہم اسلوب میں اور بڑی عرق ریزی سے مختلف شعبہائے زندگی میں پائی جانے والی اس بیماری کے خطرات سے لوگوں کو آگاہ فرمایا، تاکہ ہر خاص وعام اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکے، اور اپنی ذات کو اس مرض سے محفوظ کرسکے۔

زیرنظر کتاب "تکبر ایک وبال ہے" سے پہلے بھی حضرت مولانا علاء الدین صاحب کی چند کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جن میں حضرت مولانا نے حضرت حکیم الامت

مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ملفوظات کو جمع فرمایا ہے، جن کے ذریعہ آدمی اپنے ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن کی بھی اصلاح کرسکتا ہے۔

اخیر میں میری دعاء ہے کہ اللہ رب العزت مولانا موصوف کی اس کاوش کو بھی قبول فرمائے اور پوری امت مسلمہ کیلئے اس کو نافع اور مختلف میدانوں میں کی جانے والی آپ کی مساعی کو بے حد قبول فرمائے۔ (آمین)

عاشق حسین

خادم: مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

بروز جمعہ: 2 نومبر 2018

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

کسی بھی معاشرے میں فساد اور بگاڑ پیدا ہونے کے بڑے اسباب میں سے ایک اہم سبب تکبر کا مرض ہے، دراصل تکبر قدرت کے خلاف بغاوت اور فطرت انسانی کے خلاف ایسی ناپاک جسارت اور گندہ عمل ہے جس کو کوئی بھی قوم پسند نہیں کرتی، اور متکبر شخص کو ہر معاشرہ میں ذلّت وحقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

اگر اس مرض کی گہرائی میں جائیں تو معلوم ہوگا کہ معاشرتی اور انسانی تمام خرابیوں کی جڑ بھی یہی تکبر کا مرض ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اُم الامراض فرمایا۔

تکبر کی وجہ سے انسان حق کا منکر، خدا کا معاند، بداخلاقی کا معین اور بدکرداری کا بھونڈا مظہر ہوجاتا ہے۔

یہ مرض تمام روحانی بیماریوں کی ماں ہے، احادیث اور اقوال سلف سے پتہ چلتا ہے کہ تکبر جہاں بددینی کی علامت ہے وہیں تکبر کرنے والا سُوّر اور خنزیر سے بھی نیچے گر جاتا ہے، اس کے تمام اعمال ضائع ہوجاتے ہیں، تکبر بہر حال انسان کو تباہ کردیتا ہے ،تکبر کی نحوست ولعنت کا نقصان اس کو ہر جگہ پیش آتا ہے، تکبر ایسا مرض ہے جو انسان کے جسم وروح دونوں کیلئے گُھن کا کیڑا ثابت ہوتا ہے، اور متکبر کے ہر کام کے حسن وبرکت کو ضائع کردیتا ہے، الغرض یہ مرض تمام روحانی بیماریوں کا سردار ہے جو اس سے بچ گیا وہ نیک ہوگیا، محبوب خالق اور عزیز خلائق ہوا، جو اس میں مبتلا ہوا دوسری تمام قابلیتوں کے باوصف خدا کی نگاہ میں محروم اور بندوں کی نگاہ میں مبغوض ہوا، دین ودنیا دونوں تباہ ہوئے۔

یہ ابلیسی صفت ہر انسان میں حسب احوال ومراتب موجود ہے، جس کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے، اور اصلاح بغیر مصلح، ومرشد، کے عادۃً وعموماً نہیں ہوتی۔

اس وقت ساری دنیا میں شیطان کی اس آتش جہاں سوز صفت نے بڑے بڑے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے کر بے ہوش اور بدحواس کر دیا ہے، جس کی بنا پر بغض، عداوت اور نفرتوں کی خلیجیں آپسی تعلقات ومسائل میں حائل ہوتی جارہی ہیں۔

اور انسانی معاشرہ دن بہ دن ہلاکت کے آتش فشاں کے قریب ہوتا جارہا ہے۔

اہل فکر ونظر اور معماران قوم اس حیرت انگیز المیہ پر انگشت بدنداں ہیں کہ اس نحوست ومعصیت کبیرہ کا ازالہ کیونکر کیا جائے، اور اس ابلیسی صفت کے دلدل سے موجودہ معاشرہ کو کس طور اور ترکیب سے نجات دلائی جائے۔

راقم السطور نے خاص کر اسی موضوع کا انتخاب کیا ہے، تاکہ ہر شخص کو اپنا محاسبہ کرنے کا موقع فراہم ہو، اور اپنی دنیوی واخروی کامیابیوں کی راہوں میں بار بار حائل ہونے والے اس ناپاک پتھر کو ہٹانے کا اللہ تعالیٰ موقع عنایت فرمائے۔

قارئین کرام اس کتاب میں جابجا اس کے ابطال ورد کے دلائل اور وعیدیں پڑھیں گے، اللہ تعالیٰ اس سیہ کار کی اصلاح فرمائے (آمین) اور تمام مومنین کو اس کے مطالعہ کی توفیق عطا فرمائے، خدائے بزرگ وبرتر سے التجا ہے کہ راقم کی اس کاوش کو دونوں جہاں میں نجات ومغفرت کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

علاء الدین قاسمی

۱۵ صفر بروز جمعرات ۱۴۴۰

خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور دربھنگہ (بہار)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى
سَيِّدِنَا وَسَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ
وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ:

کبریائی

وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں بڑائی کا حق صرف اللہ ہی کیلئے ہے:

کبریائی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص اور اُسی کی شان کو زیبا ہے پس انسان ضعیف البنیان جس کو دوسرے کا اختیار تو در کنار اپنے ہی نفس کا اختیار نہیں اِس صفتِ الٰہی میں تھی ہونے کی کس طرح جرأت کرسکتا ہے اور چونکہ متکبر شخص باوجود اس ذلت وضعف کے حق تعالیٰ کی مشارکت چاہتا ہے اور اس صفتِ کمالیہ میں اُس کے ساتھ منازعت (جھگڑا) کرتا ہے اس لیے پرلے درجے کا احمق اور خبیث النفس سمجھا جائے گا۔

تکبر کی حقیقت اور آثار:

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔

جو لوگ باوجود صاحبِ عزت ومال ہونے کے تواضع کرتے ہیں اور عاجزی و انکساری کے ساتھ لوگوں سے ملتے ہیں اُن کو مبارک ہو کہ اُن کے بڑے درجے

ہیں اُن کی دنیا میں بھی عزت بڑھتی ہے اور آخرت میں بھی۔

تکبر کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے آپ کو صفاتِ کمالیہ میں دوسروں سے زیادہ سمجھے اور ظاہر ہے کہ جب انسان کا اپنے متعلق ایسا خیال ہوتا ہے تو نفس پھول جاتا ہے اور پھر اس کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں مثلاً راستہ میں چلتے وقت دوسروں سے آگے قدم رکھنا مجلس میں صدر مقام یا عزت کی جگہ بیٹھنا دوسروں کو نظرِ حقارت سے دیکھنا یا اگر کوئی سلام کرنے میں پیش قدمی نہ کرے تو اُس پر غصہ ہونا ، کوئی اگر تعظیم نہ کرے تو ناراض ہونا ،کوئی اگر نصیحت کرے تو ناک بھویں چڑھانا ،حق بات معلوم ہونے پر بھی اُس کو نہ ماننا اور عوام الناس کو ایسی نگاہ سے دیکھنا جس طرح گدھوں کو دیکھتے ہیں نعوذ باللہ منہا چونکہ تکبر بڑی بڑی خباثتوں کا مجموعہ ہے اس لیے جہنم کا پورا ذخیرہ ہے۔

الحدیث الشریف

لَیۡتَ شَعۡرِی! کَیۡفَ أُمَّتِي بَعۡدِی حِیۡنَ تَتَبَخۡتَرُ رِجَالُهُمۡ وَتَمۡرَحُ نِسَاءُهُمۡ ؛ وَلَیۡتَ شَعۡرِی !حِیۡنَ یَصِیۡرُوۡنَ صِنۡفَیۡنِ: صِنۡفاً نَاصِبِی نُحُوۡرِهِمۡ فِي سَبِیۡلِ اللهِ وَصِنۡفاً عُمَّالاً لِغَیۡرِ اللهِ۔

ترجمہ :کاش !میں جان لیتا کہ میرے بعد میری امت کا کیا حال ہوگا (اور ان کو کیا کچھ دیکھنا پڑے گا) جب ان کے مرد اَکڑ کر چلا کریں گے اور ان کی عورتیں (سرِ بازار(اِتراتی پھریں گی: اور کاش! میں جان لیتا، جب میری امت کی دو قسمیں ہو جائیں گی ایک قسم تو وہ ہوگی، جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں سینہ سپر ہوں گے اور ایک قسم وہ ہوگی، جو غیر اللہ ہی کے لیے سب کچھ کریں گے۔

تخریج وشرح

اس حدیث کو ابن عساکرؒ نے اپنی تاریخ میں ایک صحابی (**عن رجل من الصحابة**) سے روایت کیا ہے، جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے **الجامع الصغیر** میں بہ رقم (۷۵۴۳) :اور علامہ علی متقیؒ نے کنز العمال میں بہ رقم:(۴۳۸۴۶۶اس) روایت کو ان کے حوالے سے درج کیا ہے؛ علامہ مناویؒ نے **فیض القدی**: (۵/۳۵۰) میں اس حدیث کی شرح کی ہے اور اس پر سکوت فرمایا ہے اور میں اس حدیث کی سند پر مطلع نہ ہوسکا۔

مَردوں میں تکبر

مذکورہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے اندر پیدا ہونے والے بگاڑ کا ذکر کیا ہے۔

مردوں میں اکڑ کر چلنے کی بیماری پیدا ہو جائے گی؛ چنانچہ آج یہ بات کثرت سے دیکھی جاسکتی ہے، ہر آدمی غرور وتکبر میں چُور ہے اور اسی وجہ سے ان کا لباس و پوشاک بھی تکبرانہ اور چال وچلن بھی تکبرانہ، بات چیت بھی تکبرانہ؛ غرض ہر ادا وحرکت میں یہی غرور وتکبر جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

اور اسلاف کی سادگی اور بے تکلفی اور تواضع وانکساری سب رخصت ہوگئی، جاہل سے جاہل اور فقیر سے فقیر آدمی بھی اپنے آپ کو بڑا اور سب سے بڑا سمجھتا ہے اور اس کا مظاہرہ کرتا ہے۔

تکبر:

تکبر کے سبب حق بات کے انکار کی نوبت آتی ہے جس سے دینی سعادت کا

دروازہ بند ہوجاتا ہے اور متکبر اللہ کی مخلوق کو بہ نظر حقارت دیکھنے لگتا ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کو بہت ناگوار ہے۔

تکبر نفس:

تکبر نفس کوئی پسندیدہ وصف حاصل نہیں کرنے دیتا، تکبر کرنے والا شخص تواضع سے محروم رہتا ہے، حسد اور غصہ کو دُور کرنے پر قادر نہیں ہوتا، ریا کاری کا ترک اور نرمی کا برتاؤ اس کو دشوار ہوتا ہے کسی مسلمان بھائی کی خیر خواہی اس سے ہو نہیں سکتی، غرض اپنی عظمت اور بڑائی کے غرہ (غرور) میں مست اور ہمہ صفت موصوف ہونے کے خیالِ باطل میں ناصح کی نصیحت سے مستغنی اور نفس امارہ کی اصلاح سے بالکل محروم رہتا ہے۔

کبر کا علاج:

جب تک یہ بدخصلت دفع نہ ہوجائے آئندہ بھی اس کی اصلاح کی توقع نظر نہیں آتی لہٰذا اس کے علاج میں جلدی کرنی چاہیے۔

اوّل تو یہی سوچنا چاہیے کہ ہماری حقیقت اور اصلیت کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ ابتدا تو نجس اور ناپاک منی کا قطرہ ہے اور اِنتہا مردار لوتھڑا اور کیڑے مکوڑوں کی غذا، اب رہی متوسط حالت کہ جس کا نام زندگی اور حیاتِ دنیا ہے سو اِس کی حالت یہ ہے کہ منوں نجاست پیٹ میں بھری ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ (هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ) کہ انسان محض معدوم شے تھا اور اس قابل ہی نہ تھا کہ ذکر و بیان میں آسکے، اس کے بعد مٹی بنا اور پھر نطفہ ہوا پھر مضغہ گوشت بنا نہ کان تھے نہ آنکھ اور نہ حیات نہ طاقت اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دے دیا مگر اس پر بھی بیسیوں

امراض کا ہر وقت نشانہ بنا ہوا ہے، بھوک پیاس کا محتاج جدا ہے اور ذرا سی تکلیف میں بیکار ہو کر بیٹھ جاتا ہے کسی شے کا علم چاہتا ہے مگر نہیں ہوسکتا، نفع حاصل کرنا چاہتا ہے مگر نقصان ہو جاتا ہے کوئی لحظہ موت سے امن نہیں اللہ جانے جس وقت بیمار ہو جائے کس وقت عقل چھن جائے کس وقت کوئی عضو بیکار ہو جائے اور کسی وقت رُوح پرواز کر جائے پھر انجام کار موت کا شکار اور اس کے بعد تنگ و تاریک گھاٹیوں کا سامنا ہونا ہے حساب کتاب حشر ونشر پیش آنے ہیں، جنت دوزخ میں دائمی زندگی کا فیصلہ اور شہنشاہی فرمان کا صادر ہونا، بھلا تم ہی بتاؤ کہ ایسے گرفتار مصیبت اور ذلیل و ناکارہ غلام کو زبردست قدرت والے جبار وقہار شہنشاہ کی ہمسری کا خیال کیونکر زیبا ہوسکتا ہے؟ جس شخص کی یہ حالت ہو کہ اگر نجاست اس کے ہاتھ کو لگے تو تین تین مرتبہ دھوئے اور پھر اسی نجاست کو ہر وقت پیٹ میں لیے پھرے اس کو تکبر کرنا کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا۔

عموماً چار باتوں میں انسان کو تکبر ہوتا ہے: علم، تقوی، حسب ونسب اور مال و جمال چونکہ ہر ایک کا علاج علیحدہ ہے لہٰذا ہم ہر مضمون کو مفصل جدا جدا بیان کرتے ہیں۔

عالم کے تکبر کے اسباب:

(۱) علم:

تکبر کا پہلا سبب علم ہے، علماء تکبر سے بہت کم خالی ہوتے ہیں کیونکہ علم کے برابر کسی چیز کی فضیلت نہیں ہے لہٰذا اس کو حاصل کر کے دو خیال پیدا ہو جاتے ہیں۔

اوّل: یہ کہ ہمارے برابر اللہ کے یہاں دوسروں کا رُتبہ نہیں ہے۔
دوم: یہ کہ لوگوں پر ہماری تعظیم واجب اور ضروری ہے پس اگر لوگ تواضع کے ساتھ پیش نہ آویں تو ان کو تعجب ہوا کرتا ہے۔

متکبر کا علم جہلِ مرکب ہے:

پہلا تکبر دینی تکبر ہے، دوسرا تکبر دُنیوی تکبر ہے۔
ایسے عالم کو جاہل کہنا چاہیے کیونکہ علم کا منشا تو یہ تھا کہ انسان اپنے شریر نفس کی حقیقت اور پروردگار جل جلالہ کی عظمت کو معلوم کرتا اور سمجھتا کہ خاتمہ کا اعتبار ہے اور اس کا حال کسی کو معلوم نہیں پس جو شخص اپنے آپ کو قابلِ عظمت سمجھے ہوئے ہو تو گویا وہ اپنی اصلیت سے ناواقف اور خاتمہ کے اندیشہ سے بے خوف ہے اور یہ بڑی معصیت ہے کیونکہ جاہل شخص اگر کسی گناہ کے ارتکاب میں اپنی ناواقفیت کی وجہ سے معذور سمجھا جائے تو کچھ عجب نہیں مگر عالم چونکہ جان بوجھ کر معصیت کر رہا ہے اس لیے وہ معذور نہیں ہوسکتا چنانچہ سب جانتے ہیں کہ قانون داں شخص کا جرم لوگوں کے جرم سے بڑھا ہوا ہوتا ہے، پس تعجب ہے کہ عالم ہو کر جاہل بن گیا اور باوجود اِس کے اپنی جہالت سے بے خبر ہے اِسی کا نام جہل مرکب ہے۔
یاد رکھو کہ جس علم سے تکبر پیدا ہو وہ علم جہل سے بھی بدتر ہے کیونکہ حقیقی علم انسان کو جتنا بھی زیادہ حاصل ہوگا اُسی قدر اُس کا خوف اور خشیت بڑھے گا اللہ تعالیٰ نے تو اپنے پیارے پیغمبر کو یہ حکم فرمایا ہے کہ اپنے متبع مسلمانوں کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔ رسولِ مقبول فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے مگر

وہ اُن کی زبان پہ ہی رہے گا حلق سے نیچے نہ اُترے گا اور نہ قلب تک اُس کا اثر پہنچے گا، لوگوں سے کہیں گے کہ ہم قاری ہیں ہم عالم ہے ہمارے برابر دوسرا نہیں، سن لو کہ یہ لوگ دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔ سلف صالحین کے حالات دیکھو ایک مرتبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نماز میں امام بنے اور سلام پھیر کر کہنے لگے کہ صاحبو اپنے لیے کوئی دوسرا امام تلاش کرلو یا علیحدہ علیحدہ نماز پڑھ لیا کرو میں امامت کے لائق نہیں ہوں کیونکہ اِس وقت میرے نفس میں یہ خطرہ آیا کہ چونکہ میرے برابر ساری جماعت میں کوئی شخص نہ تھا لہٰذا مجھ کو اِمام تجویز کیا گیا۔

یاد رکھو کتنا بڑا عالم کیوں نہ ہو یہ ضروری نہیں کہ اُس کا خاتمہ بخیر ہی ہو جائے اور کیسا ہی جاہل کیوں نہ ہو یہ یقین نہیں ہے کہ اُس کا انجام بخیر نہ ہو اور بری حالت میں ہو، جب عالم ہو کر اتنا سمجھتے ہو تو پھر تکبر کس بنا پر کرتے ہو کیا علم پر عمل کرنا تم پر فرض نہیں ہے؟ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن عالم کو لایا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا اُس کی آنتیں اس کے گرد گھومتی ہوں گی جس طرح چکی کے گرد گدھا گھومتا ہے یا کولہو کا بیل چکر لگاتا ہے لوگ تعجب کے ساتھ پوچھیں گے کہ آپ یہاں کیسے آئے؟ وہ کہے گا کہ میں اپنے علم پر عمل نہ کرتا تھا مگر اپنی خبر نہ لیتا تھا اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْہُ اے اللہ ہم کو اِس سے محفوظ رکھ۔

دیکھو اللہ تعالیٰ نے بلعم باعورا کو جو بڑا زبردست عالم تھا اُس کتے کی مثل فرمایا ہے جو زبان باہر نکال دے اور علمائے یہود کو گدھا فرمایا ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں اور یہ اسی لیے کہ وہ شہوتِ نفسانی میں گرفتار تھے تکبر کرتے تھے اور اپنے

آپ کو بڑا سمجھتے تھے دوسرے کو نصیحت کرتے تھے اور خود غافل تھے۔

پس ان احادیث اور واقعات میں خوب غور کرو گے تو تکبر جاتا رہے گا اور اِس پر بھی نہ جائے تو سمجھو کہ بے فائدہ علوم یعنی منطق وفلسفہ اور مناظرہ وغیرہ کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہنے کا ثمرہ ہے اور یا اپنی خباثت باطنی کا اثر ہے کہ اس کی وجہ سے دوا نفع نہیں دیتی بلکہ اُلٹا ضرر بڑھاتی ہے پس اِن کے اثر کو کم کرنے کی کوشش کرو۔[1]

(۲) تقوی:

تکبر کا دوسرا سبب تقوی اور زُہد ہے چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ عابد بھی اکثر تکبر کرنے لگتا ہے اور بعض کی تو یہاں تک حالت ہو جاتی ہے کہ لوگوں کو ایذا پہنچانے کو اپنی کرامت سمجھنے لگتے ہیں مثلاً اگر کسی شخص سے ان کو ایذا پہنچے تو جھلا کر کہتے ہیں کہ دیکھتے رہو اللہ تعالیٰ اس کو کیسی سزا دیتا ہے اس نے ہم پر ظلم تو کیا مگر عنقریب سزا بھی ایسی ملے گی کہ یاد ہی رکھے گا، اس کے بعد اگر تقدیر سے وہ شخص بیمار پڑ گیا یا مر گیا تو اپنے دعوی کا ثبوت بھی پیش کرتے اور خوش ہو کر کہتے ہیں کہ دیکھا اللہ کے فقیر بندوں کو ایذا دینے کا کیسا نتیجہ رہا۔ اس احمق سے کوئی پوچھے کہ کافروں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام کو ہزارہا ایذائیں پہنچائیں مگر کسی نے بھی انتقام کا فکر نہیں کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ایذا دینے والے کفار مشرف بایمان ہو گئے اور دنیا و آخرت کی بہبودی سے دامنوں کو بھر لیا، اگر حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنے دشمنوں سے انتقام لیتے یا ان کا مرجانا چاہتے تو بھلا اللہ کی مخلوق کیونکر ہدایت پاتی، کیا کوئی عابد و ولی کسی نبی سے بڑھ سکتا ہے

---

[1] (1) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا ایک عالم

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ عابد کو ہر شخص کے سامنے تواضع کرنی چاہیے۔

تقوی سے تکبر پیدا ہونے کا علاج:

مثلاً کسی عالم گنہگار کو دیکھے تو اُس کے سامنے علم کی وجہ سے جھک جائے اور اُس کے گناہ کا خیال نہ کرے کیونکہ علم کی بڑی فضیلت ہے اور جاہل فاسق کو دیکھے تو یوں سمجھے کہ کیا خبر ہے شاید اس کی باطنی حالت مجھ سے بدرجہا بہتر ہو اور اِس میں کوئی ایسی محمود صفت ہو جو اِس کے ظاہری گناہوں کو چھپا لے اور میرے اندر کوئی ایسی خباثت ہو جس کے باعث میری ظاہری عبادتیں بھی حبط (مٹ جائیں) ہو جاویں سو اللہ تعالیٰ تو قلوب دیکھتا ہے صورت کو نہیں دیکھتا اور کسی کے قلب کا حال سوائے علام الغیوب کے دوسرے کو معلوم نہیں پھر تکبر کیسا علاوہ اس کے یہ کہ خود تکبر بھی تو ایک باطنی خباثت ہے پس اپنی حالت کا بدتر ہونا تو خود ظاہر ہو گیا کہ اپنے اندر تکبر موجود ہے اور وہ شخص جو فاسق نظر آرہا ہے تکبر سے خالی ہے۔ بنی اسرائیل میں ایک فاسق شخص ایک مرتبہ ایک عابد کے پاس اِس نیت سے آبیٹھا کہ اللہ تعالیٰ اِس کی برکت سے مجھ پر رحم فرمادے گا، اس کو پاس بیٹھا دیکھ کر عابد اپنے دل میں کہنے لگا کہ مجھے اس سے نسبت کیا؟ کہاں یہ اور کہاں میں! اس کے بعد اُس سے کہا کہ جاؤ دُور ہو، اُسی وقت اُس زمانہ کے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ اِن دونوں سے کہہ دو کہ اَز سرِ نو عمل کریں کہ پہلا کیا کرایا برا تھا یا بھلا دونوں کا حبط کر دیا گیا کہ فاسق کے گناہ محو ہو گئے اور عابد کی نیکیاں مٹ گئیں اب آئندہ جیسا کریں گے ویسا بھریں گے۔

اسی طرح ایک گستاخ شخص ایک عابد کی گردن پر سجدہ کی حالت میں آسوار

ہوا اس نے کہا واللہ دفع ہو اللہ تیری کبھی مغفرت نہیں کرے گا، اُسی وقت الہام ہوا بلکہ اے متکبر تیری مغفرت کبھی نہ ہوگی کیا میری مغفرت تیرے ہاتھ میں ہے کہ قسم کھا کر پختگی کے ساتھ ہمارے ایک بندہ کو اُس سے نا اُمید بناتا ہے۔ (گلدستہ نبوی)

حضرت عطا سلمی باوجود نہایت درجہ متقی اور عابد وزاہد ہونے کے جب کبھی تیز ہوا چلتی یا بادل گرجتا تو یوں فرمایا کرتے تھے کہ مجھ بدنصیب کی وجہ سے لوگوں پر مصیبت نازل ہوتی ہے پس اگر عطا مر جائے تو اِن مصیبتوں سے لوگوں کو خلاصی مل جائے۔ دیکھو اِس اخلاص اور کثرت عبادت پر اُن کو کس قدر تواضع اور اللہ کا خوف تھا اور اِس زمانہ میں تو یہ حالت ہے کہ دو چار ظاہری اعمال پر نازاں ہوتے اور اللہ تعالیٰ پر احسان جتاتے اور اُس کی حکومت وسلطنت جبروتی کی باگ اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں کہ کسی کو ماریں کسی کو جلائیں حالانکہ ان عبادتوں میں ریا وسمعہ (دکھاوا اور شہرت) کا احتمال جدا ہے اور انجام و خاتمہ کا خطرہ الگ۔

(۳) حسب ونسب:

تکبر کا تیسرا سبب حسب ونسب ہے کہ اپنے آپ کو شریف اور عالی خاندان سمجھ کر تکبر کرتے ہیں۔

حسب ونسب پر تکبر ہونے کا علاج:

اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے نسب میں غور کرو کہ وہ کیا چیز ہے؟ ظاہر ہے کہ ہر شخص کا نسب اس کے باپ کا ناپاک نطفہ اور ذلیل مٹی ہی تو ہے کہ ہر شخص اسی سے پیدا ہوا ہے پس دوسروں کے خصائل اور غیروں یعنی باپ دادا کی خوبیوں پر ناز کرنا کیسی غلطی کی

بات ہے اگر آباؤ اجداد کو گویائی مرحمت ہو تو یقیناً وہ بھی کہیں گے کہ صاحبزادے! دوسروں کے محاسن پر فخر کرنے والا تو کون؟ ان کے پیشاب کا کیڑا ہے جنہوں نے قابلِ فخر کام کیے تھے پس پیشاب کے کیڑے اور ناپاک نطفہ کو تو اپنی اصلیت دیکھنی چاہیے نہ کہ آباؤ اجداد کے قابلِ تعریف اور بہادرانہ کام کہ میرے باپ دادا ایسے بہادر تھے اور دادا ایسے سخی تھے۔

پھر اگر دنیاداروں کے نسب پر تکبر اور فخر کیا جائے تب تو حماقت کا کچھ ٹھکانہ ہی نہیں کیا خبر ہے کہ وہ نسب والے کہاں گئے ممکن ہے کہ جہنم کا کوئلہ بن گئے ہوں اور آرزو کرتے ہوں کہ کاش کتے اور سور پیدا ہوتے تاکہ اِس مصیبت سے نجات ملتی پس ان کی حالت تو اتنی اندیشہ ناک اور ان کے صاحبزادے دنیا میں ان کی اولاد ہونے پر ناز کریں اور اگر دینداروں کے نسب پر فخر و ناز ہو کہ ہم ایسے شیخ اور ولی کی اولاد میں ہیں تو اِس تکبر میں دوسری حماقت ہے کیونکہ اُن کو جو کچھ عزت اور شرف حاصل ہوا تھا وہ اُن کی دینداری اور تواضع کی بدولت ہوا تھا سو جب وہ اپنی دینداری پر خود ہی متکبر نہ تھے تو اُن کی اولاد کس عزت و شرافت پر تکبر کرتی اور اُن کی ناخلف اولاد قرار پاتی ہے، دیندار آباؤ اجداد کا تو یہ حال تھا کہ وہ بعض وقت انجام و خاتمے کے خوف سے لرز اُٹھتے اور یہ تمنائیں کیا کرتے تھے کہ کاش گھاس ہوتے کہ کوئی جانور چر لیتا کاش پرندہ ہوتے کہ کوئی شکاری جانور یا انسان کھالیتا بھلا جن کو علم و عمل دونوں حاصل تھے وہ تو تکبر سے کوسوں بھاگتے تھے اور تم باوجودیکہ دونوں صفتوں سے بے بہرہ ہو کر محض اُن کی اولاد ہو کر نسب پر فخر کرتے اور متکبر بنے جاتے ہو۔

(٤) مال اور جمال پر تکبر اور اس کا علاج:

تکبر کا چوتھا سبب مال اور جمال ہے کہ آدمی اپنے مال یا حسن پر فخر کرتا ہے سو اِن چیزوں پر بھی تکبر کرنا حماقت ہے، بھلا مال جیسی ناپائیدار چیز کہ ڈاکہ پڑ جائے تو سب جاتا رہے اسی طرح جمال جیسی عارضی چیز کہ مہینے بھر بخار آئے تو سارا حسن و جمال خاک میں مل جائے اور چیچک نکل آئے تو صورت کا رُوپ بدل جائے فخر کے قابل کس طرح ہو سکتے ہے، حسین صورت اگر اندرونی نجاستوں میں غور کرے تو اپنے ظاہری جمال پر کبھی فخر نہ کرے۔

یاد رکھو کہ جس حسن و جمال کو بناوٹ اور آرائش کی حاجت ہے وہ ہرگز فخر کے قابل نہیں ہے اگر ہر ہفتہ غسل نہ کیا جائے تو دیکھ لو بدن کے رنگ و بو کا کیا حال ہوتا ہے، سنک، تھوک، بول و براز جیسی نجاستوں سے سارا بدن بھرا ہوا ہے پھر بھلا نجاست کے ڈھیر اور غلاظت کے کوڑے کو کیا زیبا ہے کہ اپنے آپ کو صاحبِ جمال سمجھے اور اِس پر نازاں اور متکبر ہو۔

کسی اطاعت اور کسی معصیت کو معمولی و حقیر نہ سمجھو:

کان لگا کر سنو! ایک بزرگ کی نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی کو اپنی طاعت میں چھپا رکھا ہے لہٰذا کسی عبادت کو کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو حقیر نہ سمجھو کیا خبر ہے کہ اُس کی رضامندی اِس میں چھپی ہوئی ہو اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی ناراضگی اور غصہ کو معصیت میں چھپا دیا ہے پس کسی معصیت کو کیسی ہی ذرا سی کیوں نہ ہو کبھی معمولی نہ سمجھو کیا خبر ہے شاید اِسی میں اُس کی ناراضگی و غصہ چھپا ہوا ہو اور اسی طرح

اپنی ولایت وقرب کو اپنے بندوں میں مخفی رکھا ہے لہٰذا کسی بندہ کو کیسا ہی گناہگار کیوں نہ ہو کبھی حقیر نہ سمجھو کیا خبر کہ شاید یہی بندہ اللہ کا ولی ہو اسی عمل میں اُس کی رضامندی ہو جس کا ظہور اس کے انتقال کے وقت دفع ہو جائے۔

تکبر اور فساد اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہیں:

یہ دو چیزیں اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسندیدہ ہیں بہت زیادہ ناراض ہے (اللہ اِن پر) ایک تکبر بڑائی اور دوسری چیز فساد کرنا، لوگوں کو لڑانا لوگوں سے مال اور عزت ان کی راحت وغیرہ کو فنا کرنا، اللہ تعالیٰ خود سب سے بڑا ہے اللہ تعالیٰ ہی کو حق ہے کہ وہ تکبر کرے بلندی اور اُونچائی اپنی ظاہر کرے، اللہ تعالیٰ سب سے مستغنی ہے سب سے بے پرواہ ہے اُس کو کسی کی حاجت نہیں اور اُس کے سوا سب کے سب محتاج ہیں اللہ تعالیٰ کے (یٰاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ)۱ اے آدمیو! تم سب کے سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی سب سے بے پرواہ سب سے غنی اور نہایت اچھی صفات والا کمال والا ہے تو خدا کے ہی لیے تکبر جچتا ہے سجتا ہے اور اللہ کے سوا کسی کو بڑائی کا حق نہیں۔

جنابِ رسول اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْ رِدَائِیْ کَبَبْتُہٗ فِیْ جَھَنَّمَ تکبر اور بڑائی اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میری چادر ہے جیسے آدمی چادر اوڑھتا ہے اور اپنے تمام بدن کو ڈھکتا ہے خداوندِ کریم کی صفت تکبر کی، بڑائی کی، بلندی کی خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے وہ خود بخود موجود ہے اُس کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں، اُس نے سب کو پیدا کیا ہے سب کے اندر ہر قسم

کے کمالات اپنی طرف سے عطا فرمائے کسی میں کوئی کمال اپنا نہیں ہے سب کے سب محتاج ہیں اسی واسطے کہا گیا ہے (یَآاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللهِ)" اللہ تعالیٰ کے تم سب کے سب محتاج ہو اور اللہ سب سے بے پرواہے۔

تکبر کرنا درحقیقت خدائی کا دعویدار بننا ہے:

اب جو شخص اپنی بڑائی دکھلاتا ہے تکبر کرتا ہے لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اپنے آپ کو سب سے اُونچا دیکھتا ہے تو وہ خدائی کا دعویدار بنتا ہے خدا کی چادر خدا کی صفت اپنے لیے کھینچتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص کبریائی کو بڑائی کو تکبر کو اپنے لیے ثابت کرے گا وہ مجھ سے جھگڑا کرتا ہے میری چادر کھینچتا ہے میری چادر اپنے اُوپر ڈالتا ہے اور بڑائی ثابت کرتا ہے جو شخص ایسا کرے گا میں اُس کو دوزخ میں اوندھا کر کے سر کے بال ڈال دوں گا اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْ رِدَائِیْ کَبَبْتُهُ فِیْ جَهَنَّمَ۔ میرے بھائیو! تکبر بڑائی اور تعلّی نہایت زیادہ اللہ تعالیٰ کو مبغوض ہے اللہ تعالیٰ اس سے نہایت ناخوش ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ کسی شخص میں سوائے اپنے تکبر پایا جائے، (وہ) تکبر سے نہایت زیادہ ناراض ہے۔

تکبر نام ہے حق بات کے انکار کرنے کا اور لوگوں کو ذلیل سمجھنے کا

جنابِ رسول اللہ سے بعض لوگوں نے پوچھا کہ حضور آپ تکبر کی بڑی برائی بیان فرماتے ہیں ہم لوگ اِس سے کیسے بچ سکتے ہیں، ہر ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ میرا لباس اچھا ہو، میرا بدن اچھا ہو، میری چال ڈھال اچھی ہو، تو اب کیا ہم سب کے سب خدا کے عذاب کے مستحق ہوں گے؟ تو فرمایا کہ تکبر یہ نہیں ہے کہ تم اپنا رنگ اچھا بناؤ اپنے

بدن کو اچھا بناؤ اپنے کپڑوں کو اچھا بناؤ اپنے مکان کو اچھا بناؤ یہ تکبر نہیں ہے، تکبر یہ ہے غَمْطُ النَّاسِ وَجَحْدُ الْحَقِّ تکبر اُس چیز کا نام ہے کہ حق بات کو نہ ماننا حق بات سے انکار کرنا اور لوگوں کو ذلیل سمجھنا ذلیل دیکھنا ذلیل کرنا کوئی آدمی ہو اُس کو آپ اپنے سے ذلیل سمجھتے ہیں اُس کی حقارت کرتے ہیں اُس کی رسوائی کرتے ہیں مارتے ہیں پیٹتے ہیں گالی دیتے ہیں اپنے برابر بیٹھنے نہیں دیتے اپنے برابر چلنے نہیں دیتے، آج بھی بہت سی جگہوں میں زمینداروں کی مالداروں کی حالت ہے کہ کوئی غریب آ گیا تو اُس کو چارپائی پر بیٹھنے نہیں دیتے وہ کھڑا رہتا ہے اُن کے ساتھ غلاموں جیسا معاملہ کرتے ہیں اِس کو فرمایا کہ حق بات کو نہ ماننا اور لوگوں کو ذلیل دیکھنا ذلیل کرنا یہ تکبر کی بات ہے، اگر تم اچھا پہنتے ہو اچھا کھاتے ہو اچھا پیتے ہو تو یہ تکبر نہیں۔

قیامت کے دن متکبرین سب سے چھوٹی چیونٹی کی شکل میں اٹھائے جائیں گے

جنابِ رسول اللہ نے فرمایا یُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ اَمْثَالَ الذَّرِّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۱ جو لوگ دنیا میں تکبر کرتے ہیں اپنی بڑائی کے زعم میں رہتے ہیں دوسروں کو حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں حق بات اگر اُن سے کہی جائے تو مانتے نہیں ہیں وہ قیامت کے دن سب سے چھوٹی چیونٹی جس کو "ذر" کہتے ہیں ایسے ذلیل کر کے اُٹھائے جائیں گے چیونٹیاں بہت سی قسم کی ہوتی ہیں "ذر" اُس چیونٹی کو کہتے ہیں جو سب سے چھوٹی ہوتی ہے جو چیونٹیاں ایک جو کے برابر وزن میں ہوتی ہیں

اُس کوذَر کہتے ہیں تو جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جب لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکالے جائیں گے تو جو متکبر لوگ تھے اپنی بڑائی کے زعم میں دوسروں کی حقارت کے زعم میں رہتے تھے وہ قبروں سے سب سے چھوٹی چیونٹی کی صورت میں اُٹھائے جائیں گے نہایت ذلیل ہوں گے۔

تکبر کرنے والوں کو اللہ ضرور ذلیل کرے گا

جنابِ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر اُس شخص کو جس کے دل میں ذرّہ برابر تکبر ہے جنت اُس کے اُوپر حرام کردی ہے ا ذرّے برابر بھی جس شخص کے اندر تکبر ہے اللہ تعالیٰ نے جنت اُس پر حرام کردی ہے، تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں بڑائی ناپسند ہے اور تواضع و فروتنی اپنے آپ کو نیچا کرنا نیچا سمجھنا وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں نہایت زیادہ پسندیدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تکبر کرنے والے کو ذلیل کرنا اپنے اُوپر واجب کرلیا ہے:

اور جنابِ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی بڑائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے اُوپر واجب کرلیا ہے کہ اُسے ذلیل کردے فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے سر اُٹھایا توحَقّ عَلَی اللہِ اَنۡ یَّضَعَہ (او کمال قال علیہ الصلوٰۃ والسلام) اللہ تعالیٰ نے اپنے اُوپر واجب کرلیا کہ متکبر کو ذلیل کرے، آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک اونٹنی تھی بڑی تیز سب سے آگے نکل جاتی تھی ایک بدوی آیا وہ ایک اُونٹ کے بچے پر سوار تھا اُس نے آکر کہا کہ آنحضرت کی اُونٹنی غالباً غضباً یا قصواًنام تھا وہ سب سے آگے نکل جاتی ہے تو میں اپنے اُونٹ سے اُس کی چال دیکھوں گا تو اُونٹ آگے نکل گیا اُونٹنی پیچھے رہ گئی، صحابۂ کرام (علیہم الرضوان)

کو رنج ہوا اِس کا، جنابِ رسول اللہ کے سامنے اپنے رنج کو ظاہر کیا تو آپ فرماتے ہیں کہ دنیا میں جو شخص بھی اپنی بڑائی کو اپنی اُونچائی کو ظاہر کرے گا اللہ تعالیٰ نے اپنے اُوپر واجب کرلیا ہے کہ اُس کو ذلیل کرے۔تو بہر حال میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ خود سب سے بڑا ہے، سب کا پیدا کرنے والا ہے، سب کو کمال دینے والا ہے، سب کو ہر قسم کی راحت اور آرام پہنچانے والا ہے، وہ سب سے بڑا ہے وہ خود متکبر ہے اُس کے ناموں میں ''مُتَکَبِّر'' بھی ہے۔ وہ اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ کوئی آدمی تکبر کرے اپنے اندر بڑائی پیدا کرے آدمی ہو یا کوئی مخلوق ہو تو تکبر نہایت زیادہ ناپسندیدہ چیز ہے۔

میرے بھائیو! ہم اس بلا کے اند بہت زیادہ مبتلا ہیں ہم غریبوں کو کمزوروں کو بیماروں کو یتیموں کو اور دوسرے لوگوں کو حتی کہ اپنے برابر کے لوگوں کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں ذلیل سمجھتے ہیں اپنی بڑائی کا خیال کرتے ہیں۔

سالکین کیسے تباہ ہوتے ہیں

سالکین کو شیطان اس طرح جلد تباہ کردیتا ہے کہ شیخ اور مربّی پر اعتراض دل میں ڈال دیتا ہے۔

تکبر کا علاج حضرت حکیم الامتؒ کے یہاں

(1) یہ سوچ کہ جو کمالات ہمارے اندر ہیں یہ میرا پیدا کیا ہوا نہیں ہے، حق تعالیٰ کی عطا ہے۔

(۲) اور یہ عطا بھی کسی استحقاق اور ہماری قابلیت سے نہیں، بلکہ محض اللہ کی مہر

بانی وکرم سے عطا ہوئی ہے۔

(۳) پھر اس نعمت کا باقی رہنا بھی ہمارے اختیار میں نہیں، حق تعالیٰ جب چاہیں چھین لیں۔

۴) اور جس کو ہم حقیر سمجھ رہے ہیں گو اس میں یہ کمال اس وقت نہیں، مگر اللہ تعالیٰ قدرت رکھتے ہیں کہ اس کمال کو مجھ سے چھین کر اس کو دے دیں یا بغیر مجھ سے چھینے ہوئے اس کو مجھ سے اس کمال میں زیادہ بلند کر دیں اور اتنا زیادہ بلند مرتبہ اس کو کر دیں کہ میں اس کا محتاج ہو جاؤں۔

(۵) اگر آئندہ اس کو کمال نہ بھی حاصل ہو تو ممکن ہے کہ اس وقت ہی کوئی اس کے اندر ایسا کمال ہو جو مجھ سے مخفی ہو اور سب ہی سے مخفی ہو اور حق تعالیٰ کو معلوم ہو، جس کی وجہ سے یہ حق تعالیٰ کے نزدیک مجھ سے زیادہ محبوب اور مقبول ہو۔

(۶) اگر کسی کمال کا احتمال بھی ذہن میں نہ آوے، تو یہی سوچے کہ ممکن ہے یہ مجھ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا مقبول ہو اور علمِ الٰہی میں میری مقبولیت اس سے کمتر یا بالکل ہی نہ ہو۔ قیامت کے دن یہاں کے کتنے پیدل وہاں کے سوار اور یہاں کے کتنے سوار وہاں کے پیدل ہوں گے، تو مجھ کو کیا حق ہے کہ اپنا انجام معلوم ہوئے بغیر میں اس کو حقیر سمجھوں؟

(۷) اور جس کی حقارت ذہن میں آوے اس پر احسان و مہربانی خوب کرے اور اس کے لیے خوب دعا کیا کرے، اس طرح اس سے محبت ہو جاوے گی اور جب محبت ہو جاوے گی تو محبت کا طبعی خاصہ ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے اس کی تحقیر دل میں نہیں ہوتی۔ اس مقصد کے لیے کبھی کبھی ایسے آدمی کا مزاج بھی پوچھا کرے اور بات چیت

کرلیا کرے، اس طرح دونوں جانب سے تعلق ہوگا اور تحقیر کا مادّہ معدوم ہوجاوے گا۔ (کمالاتِ اشرفیہ، ص: ۹۴)

خالص تواضع کے ساتھ ہی بندہ جنت میں جائے گا

فرمایا: جنت متواضعین ہی کے لئے ہے، انسان میں اگر کبر کا کوئی حصہ ہے تو پہلے اس کو جہنم میں ڈال کر پھونکا جائے گا جب خالص تواضع رہ جائے گا تب وہ جنت میں بھیجا جائے گا، بہر حال کبر کے ساتھ کوئی آدمی جنت میں نہیں جائے گا۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ (ص ۷۲ ملفوظ: ۷۹)

علماء سے محبت کرنا فرض اور ان کے حقوق ادا کرنا ذریعہ نجات ہے

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ بعض اہل علم کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں:

جناب عالی جیسے مخلص اہل علم سے ناراضگی تو اپنے لئے انتہائی خسران (ناکامی) ہے اور اس کا تصور بھی اپنے لئے حد سے زیادہ گناہ۔

جناب کی طرف سے کوئی بھی بات تکدر کی بھی تصور میں نہیں آئی اور کیسے آئے؟ آپ حضرات اہل علم کی محبت ہم پر فرض ہے، آپ کے حقوق پہچاننا اور عظمت واحترام اور آپ کے ساتھ تعلق اپنے لئے ذریعہ نجات ہے۔ (ارشادات ومکتوبات حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ص ۱۱۹)

علماء پر اعتراض اور ان سے بدگمانی ہلاکت کا ذریعہ ہے

فرمایا: ایک عامی مسلمان کی طرف سے بھی بلا وجہ بدگمانی ہلاکت میں ڈالنے والی ہے۔

اور علماء پر اعتراض تو بہت سخت چیز ہے۔ (از مولانا الیاس ۵۴ ملفوظ: ۵۶)

جوعلماء تمہاری طرف متوجہ نہیں ان کی بھی خدمتیں کرو

فرمایا: تم لوگ ان علماء کی خدمتیں کروجو ابھی تک تمہاری قوم کو دین سکھانے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے ہیں، میرا کیا ہے، میں تو تمہارے ملک میں جاتا ہی ہوں، تم نہ بلاؤ جب بھی جاؤں گا جو علماء ابھی تمہاری طرف متوجہ نہیں ہیں ان کی خدمتیں کروگے تو وہ بھی تمہاری قوم کی دینی خدمت کرنے لگیں گے۔

(ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ (ص ۱۵۷ ملفوظ: ۱۸۷)

علماء ہم سے بھی زیادہ اہم کام یعنی خدمتِ علم دین میں مشغول ہیں

خبردار! ان کی طرف سے دل میں اعتراض اور بدگمانی نہ پیدا ہو فرمایا: قافلہ والوں کو یعنی وفود تبلیغ کو نصیحت کی جائے کہ اگر حضرات علماء توجہ میں کمی کریں تو ان کے دلوں میں علماء پر اعتراض نہ آنے پائے بلکہ یہ سمجھ لیں کہ علماء ہم سے زیادہ اہم کام میں مشغول ہیں، وہ راتوں کو بھی خدمت علم میں مشغول رہتے ہیں جب کہ دوسرے آرام کی نیند سوتے ہیں، اور ان کی عدم توجہ کو اپنی کوتاہی پر محمول کریں کہ ہم نے ان کے پاس آمدورفت کم کی ہے، اس لئے وہ ہم سے زیادہ ان لوگوں پر متوجہ ہیں جو سالہا سال کے لئے ان کے پاس آپڑے ہیں۔ (ملفوظات مولانا محمد الیاسؒ ۵۶ ملفوظ: ۵۴)

علماء سے تبلیغ کے لئے نہ کہو، اپنا نمونہ پیش کرو اور استفادہ کی غرض سے حاضری دو

فرمایا: علماء سے کہو نہیں، اپنا نمونہ پیش کرو۔

علماء کی رائے تو ہے، اب آگے ان کی شرکت بھی ہوجائے گی، اور علماء اکثر شرکت

کریں (یعنی زیادہ وقت دیں) تو حدیث کون پڑھائے گا، اس لئے ان کے خالی وقت ان سے مانگو۔ (ارشادات ومکتوبات حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ص ۲۰، ۳۵)

فرمایا: ہمارے عام کارکن جہاں بھی جائیں وہاں کے حقانی علماء وصلحاء کی خدمت میں حاضری کی کوشش کریں، لیکن یہ حاضری صرف استفادہ کی نیت سے ہو اور ان حضرات کو براہ راست اس کام کی دعوت نہ دیں، وہ حضرات جن دینی مشاغل میں لگے ہوئے ہیں ان کو تو وہ خوب جانتے ہیں اور ان کے منافع کا وہ تجربہ رکھتے ہیں۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ص ۳۵ ملفوظ: ۲۹)

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ خصوصی ہدایت میں ارشاد فرماتے ہیں:

''خصوصی گشت میں جب دینی اکابر (علماء ومشائخ) کی خدمت میں حاضری ہو تو ان سے صرف دعا کی درخواست کی جائے، اور ان کی توجہ دیکھی جائے تو کام کا کچھ ذکر کر دیا جائے (یعنی مختصر کارگزاری سنا دی جائے) (تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی، الفرقان خاص نمبر ص ۱۸۰)

جنت کا گھر انہیں کو ملے گا جو دنیا میں غرور اور فساد نہیں کرتے

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ ﴿القصص: ۸۳﴾

وہ جو آخرت کا گھر ہے ہم نے اسے ان لوگوں لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿القصص: ۸۳﴾

کے لئے تیار کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور انجام نیک تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

خود کو کامل سمجھنا بڑی بھاری بیماری ہے

علّتے بدتر ز پندارِ کمال

نیست اندر جانت اے مغرورِ حال

اپنے کو کامل سمجھنے کی بیماری سے بڑھ کر کوئی بیماری نہیں، پس اے وہ شخص جو موجودہ حالت سے اپنے کو بڑا سمجھ رہا ہے! اپنے انجام پر نظر کر کہ نہ جانے خاتمہ کیسا ہو۔

کسی کو آہ فریبِ کمال نے مارا

میں کیا کہوں مجھے فکرِ مآل نے مارا

(احمدؔ)

زاں نمی پرد بسوئے ذوالجلال

کو گمانے می برد خود را کمال

ایسا شخص جو اپنے کو کامل سمجھ لیتا ہے وہ حق تعالیٰ کی راہ میں سست رفتار اور کاہل ہو جاتا ہے اور اس کی ترقی ختم ہو کر زوال پذیر ہو جاتی ہے۔

علّتِ ابلیس **انا خیرٌ** بدست

ویں مرض در نفسِ ہر مخلوق ہست

ابلیس کی بیماری یہی تھی کہ وہ **انا خیرٌ** (میں اچھا ہوں سیدنا آدم علیہ السلام سے کہتا تھا اور یہ مرض ہر شخص میں ہے۔

چند دعویٰ و دمِ و باد و بردت

اے ترا خانہ چو بیت العنکبوت

اے شخص! جب تیرا گھر مثل مکڑی کے جالے کے کمزور ہے تو کب تک دعویٰ اور فخر کی بات کرتا رہے گا۔

ابتدائے کبر وکیں از شہوت ست
راسخیٔ شہوتت از عادت ست

تکبر اور کینے کی ابتدا شہوت سے ہوتی ہے یعنی نفس بڑا بننا چاہتا ہے اور بری خواہش کا رسوخ بری عادت سے ہوتا ہے۔

زلّتِ آدم ز شکم بود و باہ
وانِ ابلیس از تکبر بود و جاہ

حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی لغزش کا تعلق خواہشِ شکم اور خواہشِ باہ سے تھا اور ابلیس لعین کی آن سرکشی تکبر اور جاہ کے سبب تھی۔

لَا جَرم او زود استغفار کرد
واں لعین از توبہ استکبار کرد

سیدنا آدم علیہ السلام نے بہت جلد اپنے قصور کا اعتراف کر کے رَبَّنَا ظَلَمْنَا کہنا شروع کر دیا اور گریہ وزاری واستغفار میں مصروف ہو گئے اور اس ملعون ابلیس نے توبہ کرنے سے عار و ننگ محسوس کیا اور باغیانہ روش اختیار کی۔

فائدہ: حضرتِ اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ہر گناہ اور نافرمانی کا سبب یا باہ ہوتا ہے یا جاہ ہوتا ہے۔

گناہِ باہی وہ گناہ ہے جو خواہشِ نفس سے مغلوبیت کے سبب صادر ہوتا ہے

اس گناہ پر ندامت اور پھر توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے اور عجب وتکبر اور تقدس کا احساس ختم ہو کر عبدیت وتذلل کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔

گناہِ جاہی جس گناہ کا منشا حُبِّ جاہ اور تکبر ہوتا ہے مثلاً کسی کو حقیر سمجھنا اور اس کی غیبت کرنا۔ اللہ والوں کی خدمت سے دل میں اپنی ذلّت محسوس کرنا یا غریبوں اور مسکینوں، طالب علموں اور مسجد کے خدام کو بنگاہِ حقارت دیکھنا اور انھیں اپنا محتاج سمجھنا یا ان پر اپنی برتری کا احساس ہونا، اپنی خطا کو تسلیم نہ کرنا اور اپنے ظلم کے باوجود مظلوم سے معافی مانگنے میں شرم مانع ہونا، یہ سب جاہی گناہ کہلاتے ہیں اور چوں کہ جاہی گناہ کا اصل سبب تکبر ونخوت ہے اس لیے ایسے لوگوں کو ندامت اور توبہ سے اکثر محرومی رہتی ہے پس خلاصہ یہ نکلا کہ گناہِ جاہی اشد ہے گناہِ باہی سے۔ ان دونوں بیماریوں کی صحت مطلوب ہے اور ان کی صحت موقوف ہے اہل اللہ کی صحبت اور ان سے قوی اور صحیح تعلق پر جس کا ثمرہ اطلاعِ حالات اور اتباعِ تجویزات ہے۔

تو بدان فخر آوری کز ترس و بند
چاپلوست کردم مردم روزِ چند

تو اس جاہ پر فخر کرتا ہے کہ مخلوق تیرے خوف اور اثر سے چند دن کے لیے تیری چاپلوسی میں مشغول ہے جیسا کہ حکامِ دنیا کا حال ہے لیکن حکومت سے برطرف ہونے پر ان کا کیا حشر وانجام ہوتا ہے۔

ہر کرا مردم سجودے می کنند
زہر اندر جانِ او می آگنند

جس شخص کے قدموں پر مخلوق بہت زیادہ استقبال اور احترام کے لیے سر جھکاتی ہے تو سمجھ لو کہ اس کی جان میں تکبر اور فرعونیت کا زہر گھولتی ہے۔

اے خنک آں را کہ ذلت نفسہٗ

وائے آں کز سرکشی شد خوئے او

اس شخص کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں جس کا نفس ذلیل اور تابع ہو اور ہلاکت ہو اس شخص پر کہ جس کی عادت ہی سرکشی کی پڑ گئی ہو۔

حدِّ خود بشناس و در بالا مپر

تا نیفتی در نشیبِ شور و شر

اپنی حقیقت (ناپاک نطفہ) کو پہچانو اور تکبر و بڑائی کی راہ پر مت چلو تا کہ شور و شر کے گڑھے میں نہ گر جاؤ۔

خود چہ باشد پیشِ نورِ مستقر

کرّ و فرِّ افتخارِ بو البشر

حق تعالیٰ شانہٗ کے نورِ مطلق دائم و قائم کے سامنے انسان کے فخر کا کرّ و فر کیا حقیقت رکھتا ہے۔

عُجب اور کبر کا فرق اپنے کو اچھا سمجھنا اور کسی کو حقیر نہ سمجھنا عُجب کہلاتا ہے اور اپنے کو اچھا سمجھنے کے ساتھ دوسروں کو کمتر سمجھنا تکبر کہلاتا ہے اور دونوں حرام ہیں۔ جب بندہ اپنی نظر میں حقیر ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کی نظر میں عزت والا ہوتا ہے اور جب اپنی نظر میں اچھا اور بڑا ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کی نظر میں حقیر اور ذلیل ہوتا

ہے۔ معاصی سے نفرت واجب ہے لیکن عاصی سے نفرت حرام ہے۔ اِسی طرح کسی کافر کو بھی نگاہِ حقارت سے نہ دیکھے کیوں کہ ممکن ہے کہ اُس کا خاتمہ ایمان پر مقدر ہو چکا ہو۔ البتہ اُس کے کفر سے نفرت واجب ہے۔

ہیچ کافر را بخواری منگرید
کہ مسلماں بودنش باشد اُمید

(رومی)

حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اپنے کو تمام مسلمانوں سے فی الحال اور کافروں اور جانوروں سے فی المآل کمتر سمجھتا ہوں یعنی موجودہ حالت میں ہر مسلمان مجھ سے اچھا ہے اور خاتمے کے اعتبار سے کہ نہ معلوم کیا ہو اپنے کو کفار سے بھی کمتر سمجھتا ہوں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مؤمنِ کامل نہ ہوگا جب تک کہ اپنے کو بہائم اور کفار سے بھی کمتر نہ جانے گا۔

جب حق تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ چاہے تو بڑے سے بڑے گناہ کو بدونِ سزا معاف فرمادے اور چاہے تو چھوٹے گناہ پر گرفت کر کے عذاب میں پکڑے تو پھر کس منہ سے آدمی اپنے کو بڑا سمجھے اور کیسے کسی مسلمان کو خواہ وہ کتنا ہی گناہ گار ہو حقیر سمجھے! حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ازیں بر ملائک شرف داشتند
کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

اللہ والے اِس سبب سے فرشتوں پر شرف و عزت میں بازی لے جاتے ہیں کہ خود کو کتے سے بھی بہتر نہیں سمجھتے۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ولایت وقرب کو حق تعالیٰ نے بندوں میں مخفی رکھا ہے لٰہذا کسی بندے کو خواہ کیسا ہی گناہ گار ہو حقیر نہ جانو کیا خبر کہ شاید یہی بندہ علمِ الٰہی میں ولی ہو اور اس کی ولایت کسی وقت بھی توبۂ صادقہ اور اتباعِ سُنت کی صورت میں ظاہر ہو جاوے۔ جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ بعض بندے زندگی بھر رند بادہ نوش مست وخراب بادہ اور فسق و فجور میں مبتلا رہتے ہیں اور اچانک اُن میں تبدیلی آجاتی ہے اور توبہ کر کے پاک وصاف ہو جاتے ہیں جیسے کوئی شاہزادہ حسین جس کے منہ پر کالک لگی ہو اور اچانک صابن سے نہا دھو کر چاند کی طرح روشن چہرے والا ہو جاوے۔

جوش میں آئے جو دریا رحم کا
گبرِ صد سالہ ہو فخرِ اولیاء

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: انسان اپنے وجود میں دو مرتبہ کس قدر گندے راستے سے گزرتا ہے، ایک مرتبہ باپ کی پیشاب کی نالی سے نطفے کی شکل میں ماں کے شکم میں گیا اور دوسری مرتبہ ماں کے رحم سے ناپاک راہ سے وجود میں آیا پھر تکبر کیسے زیبا ہوگا!

بڑے بڑے متکبر بادشاہوں کا موت قبر میں کیا حال کرتی ہے اور کس طرح لاکھوں کیڑوں کی غذا بناتی ہے۔

جس طرح امتحان کا نتیجہ سُننے سے قبل اپنے کو بڑا اور کامیاب سمجھنے والا طالبِ علم بے وقوف ہے اِسی طرح میدانِ محشر میں اپنا فیصلہ سُننے سے قبل دُنیا میں اپنے کو کسی سے افضل سمجھنا اور بڑا سمجھنا حماقت ہے۔ حضرت علّامہ سید سلیمان صاحب کا خوب شعر ہے۔

ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

ایک شخص کا گھوڑا شریر اور عیب دار تھا، کسی دلال سے کہا کہ فروخت کر دے۔ اُس نے بازار میں خوب تعریف کی۔ اُس بے وقوف نے اس تعریف کو صحیح سمجھ کر کہا: اب نہ فروخت کروں گا، میرا گھوڑا مجھے دے دو۔ اُس دلال نے کہا: زندگی بھر کا اپنا تجربہ میری جھوٹی تعریف سے جو محض بیچنے کے لیے ہے بھول گئے۔ یہی حال ہمارا ہے کہ ہر وقت اپنے نفس کی شرارت اور خباثت اور گناہوں کے تقاضوں کو جانتے ہوئے جہاں کسی نے ذرا تعریف کر دی کہ حضرت! آپ ایسے ہیں بس حضرتی کا نشہ چڑھ گیا اور اپنے نفس کو بھول گئے۔ اللہ والے ایسے وقت اور شرمندہ ہو جاتے ہیں اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اُس کی ستّاری کا شکر ادا کرتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ مجھ سے محبت اور عقیدت رکھتے ہیں یہ سب حق تعالیٰ کی ستّاری ہے ورنہ اگر وہ ہمارے اُترے پترے کھول دیں تو سب معتقدین راہِ فرار اختیار کریں۔ پس مخلوق کا حُسنِ ظن بھی حق تعالیٰ کا انعام ہے اور اپنے کو کمتر اور حقیر سمجھنا درجۂ یقین میں ایک بیّن حقیقت کو تسلیم کرنا ہے اور عبدیتِ کاملہ کے لوازم سے ہے۔

عمل میں ریا اور دکھاوا کا مقصد بھی اپنی شان کو ظاہر کرنا ہوتا ہے جو کبر کی ایک قسم ہے

ریا کہتے ہیں کسی عبادت اور نیکی کو کسی شخص کو دکھانے کے لیے کیا جاوے اور اس سے کوئی دُنیوی غرض اور اس سے مال یا جاہ حاصل کرنے کی نیت ہو۔ لیکن اگر اپنے استاد یا مرشد یا کسی بزرگ کو اس نیت سے اچھی آواز بنا کر قرآنِ پاک سنائے کہ اُن کا دل خوش

ہوگا تو یہ ریا نہیں جیسا کہ روایت حدیث کی موجود ہے کہ ایک صحابی کا قرآن رات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا اور دن میں اُس کو مطلع فرما کر اظہارِ مسرت فرمایا تو اُن صحابی نے عرض کیا کہ اگر ہم کو علم ہوتا کہ آپ سُن رہے ہیں تو میں اور عمدہ تلاوت کرتا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر سُکوت فرمانا اور نکیر نہ فرمانا مدلولِ مذکور کے لیے دلیل ہے۔

مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص اعمالِ خیر (رضائے حق کے لیے) کرتا ہے اور لوگ اُس کی تعریف کرتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ لوگ اُس سے محبت کرتے ہیں (تو آپ کی کیا رائے ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ۔

یہ مؤمن کی جلد ملنے والی بشارت ہے۔ یعنی یہ دُنیا کا انعام ہے، آخرت کا انعام اِس سے الگ ہے۔ اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ لوگوں کے دیکھ لینے کے خوف سے اپنا نیک عمل ہی چھوڑ دیتے ہیں یہ صحیح نہیں بلکہ محققین مشائخ نے فرمایا کہ نیک عمل جس طرح مخلوق کے لیے کرنا ریا ہے اِسی طرح مخلوق کے خوف سے یعنی ریا کے خوف سے کسی عملِ خیر کا ترک کرنا بھی ریا ہے۔ پس جس معمول کا جو وقت ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت سے اُسی وقت کرلے، کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے کی ہرگز پروا نہ کرے۔ ریا ایسی بلا نہیں جو بدون نیت اور ارادہ خود بخود کسی کو چمٹ جائے جب تک دکھاوے کی نیت نہ ہو، اور نیت بھی غرضِ دُنیا کی ہو تب ریا ہوتی ہے، اور اگر نیت تو رضائے حق کی ہے مگر پھر دل میں وسوسہ آتا

ہے کہ شاید اِس عبادت سے ریاکاری کررہا ہوں تو یہ وسوسۂ ریا ہے جس کی ہرگز پروا نہ کرے اور نہ پریشان ہو ورنہ شیطان وسوسہ ڈال کر اِس عملِ خیر سے محروم کردے گا یعنی خوفِ ریا پیدا کرکے آپ کو اِس عمل ہی سے روک دے گا۔

حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کی عجیب مثال دی ہے کہ آئینہ کے اُوپر جب مکھی بیٹھتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ مکھی آئینہ کے اندر بھی موجود ہے حالاں کہ وہ باہر بیٹھی ہوتی ہے۔ اِسی طرح سالک کے قلب کے باہر شیطان ریا کا وسوسہ ڈالتا ہے اور سالک سمجھتا ہے ہائے یہ تو میرے قلب کے اندر ہے۔ پس اِس کو ریا نہ سمجھے بلکہ وسوسۂ ریا سمجھے اور بے فکری سے کام میں لگا رہے۔ ترمذی شریف میں روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اپنے گھر میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک میرے پاس آدمی آ گیا اور مجھے یہ حالت پسند آئی کہ اُس نے مجھے اِس حالت میں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابو ہریرہ! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے، تیرے لیے دو اجر ہیں، ایک اجر پوشیدہ کا ایک اجر علانیہ کا۔

اِس حدیث سے کس قدر عابدین کے لیے بشارت ہے۔ کبھی اپنی عبادت کا اظہار جاہ کے لیے ہوتا ہے، یہ بھی بدترین ریا ہے مثلاً احباب کے حلقے میں یہ کہنا کہ آج تہجد میں بہت لطف آیا اور خوب رونا آیا۔ اور بہت سویرے آنکھ کھل گئی۔ یہ باتیں سوائے اپنے مرشد کے کسی کے روبرو نہ کہنا چاہیے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک صاحب نے دو حج کیے تھے اور ایک جملے سے دونوں حج کا ثواب ضائع کردیا اور وہ اِس طرح کہ ایک مہمان کے لیے

کہا کہ اے ملازم! تو اُس صراحی سے اِس کو پانی پلا جو میں نے دوسری بار حج میں مکہ شریف سے خریدی تھی۔

کبر کیا ہے؟

کسی بھی کمال میں اپنے آپ کو دوسرے سے اس طرح بڑا سمجھنا کہ اس کو حقیر وذلیل سمجھے۔

خلاف شرع وسوسۂ کبر کا علاج

سوال: اپنا حال بغرضِ اصلاح عرض ہے۔ وہ یہ ہے کہ جن لوگوں کی وضع خلافِ شریعت ہوتی ہے یا جو خلافِ شرع اُمور میں مصروف ہوتے ہیں ان کی ان باتوں سے دل میں نفرت ہوتی ہے اور بلا ضرورت ان سے ابتدا اسلام وکلام کرنے کو محض حق تعالیٰ کی رضامندی کے خیال سے دل نہیں چاہتا۔ بایں ہمہ اپنے کو ان سے اچھا نہیں سمجھتا اور جو باتیں اپنے اندر موافق شریعت کے پاتا ہے ان کو محض حق تعالیٰ کا فضل و احسان جانتا ہے اور ان کے زوال کا اندیشہ ہے کیوں کہ عطا بلا استحقاق ہے۔ اور جو باتیں خلافِ شریعت اپنے اندر جانتا ہے ان کو بھی بُرا اور قابلِ ترک سمجھتا ہے لیکن اپنے سے اتنی نفرت اپنے دل میں نہیں پاتا جس قدر اور لوگوں سے ان کی خلافِ شرع باتوں پر ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اندیشۂ کبر ہوتا ہے۔

جواب: نفرت میں تفاوت ہونا کبر نہیں۔ نفرتِ اعتقادی تو دونوں جگہ یکساں ہے اور عبد اسی کا مامور ہے اور یہ تفاوت نفرتِ طبعی میں ہے۔ جیسے انسان کو اپنے پاخانہ سے نفرت کم ہوتی ہے اور دوسرے کے پاخانہ سے زیادہ ہوتی ہے اور راز اس تفاوت

کا تفاوت فی المحبت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انسانوں کو اپنے نفس سے زیادہ محبت ہوتی ہے بہ نسبت غیر کے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ماں کو اپنے بچے کے پاخانہ سے اتنی نفرت نہیں ہوتی جیسا غیر محبوب کے پاخانہ سے، سو اس کا کبر سے کوئی تعلق نہیں۔

علاجِ کبر از مرقاۃ

فَإِذَا رَأَى مَنْ هُوَ أَكْبَرُ مِنْهُ سِنًّا قَالَ هُوَ خَيْرٌ مِّنِّيْ لِأَنَّهُ أَكْثَرُ مِنِّيْ طَاعَةً وَأَسْبَقُ مِنِّيْ إِيْمَانًا وَّ مَعْرِفَةً، وَإِنْ رَأَى أَصْغَرَ مِنْهُ قَالَ إِنَّهُ خَيْرٌ مِّنِّيْ لِأَنَّهُ أَقَلُّ مِنِّيْ مَعْصِيَةً۔

جب اپنے سے بڑی عمر والے کو دیکھے تو یہ کہے کہ وہ ہم سے بہتر ہیں کیوں کہ ان کی طاعات ہم سے زیادہ ہیں اور ایمان و معرفت میں ہم سے بڑھے ہوئے ہیں، اور اگر اپنے سے عمر میں چھوٹے کو دیکھے تو یہ کہے کہ وہ مجھ سے بہتر ہیں کیوں کہ ان کی معصیت مجھ سے کم ہے۔

تربیت اور صحبت یافتہ عالم اور غیر صحبت یافتہ عالم میں فرق پانچ منٹ میں بتادوں گا

فرمایا کہ دو عالم ہمارے پاس ہوں، ایک تربیت اور صحبت یافتہ ہو دوسرا صحبت یافتہ نہ ہو، پانچ منٹ میں ہم خود بتادیں گے کہ یہ صحبت یافتہ ہے اور یہ صحبت یافتہ نہیں۔ بدون تربیت یافتہ مولوی کے ہر لفظ میں، آنکھوں کے تیور میں، کندھوں کے نشیب و فراز میں، رفتار میں، گفتار میں کبرِ نفس کے آثار ہوں گے، اور جس نے نفس کو صحبتِ اہل اللہ کے ذریعے مٹایا ہے اس کی ہر بات، ہر ادا میں عبدیت، فنائیت اور تواضع کے آثار ہوں گے۔ (از: حضرت حکیم الامتؒ)

اعمال کی توفیق اور ہمت اہل اللہ ہی کی صحبت سے نصیب ہوتی ہے

حضرت فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کے لیے اہل اللہ کی محبت اور صحبت سے بڑھ کر کوئی تدبیر موثر نہیں۔

ان سے ملنے کی ہے یہی اِک راہ
ملنے والوں سے راہ پیدا کر

اور اپنے دعویٰ کی دلیل میں علامہ موصوف نے یہ حدیث پیش فرمائی: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُّبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ

اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں آپ کی محبت کا اور آپ کے عاشقین کی محبت کا اور اس عمل کا جو آپ کی محبت سے قریب کرنے والا ہو۔

علامہ موصوف نے فرمایا کہ اللہ والوں کی محبت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال سے مقدم فرما کر یہ تعلیم بھی ہم کو فرما دی کہ اعمال کی توفیق اور ہمت اہل اللہ ہی کی صحبت سے نصیب ہوتی ہے۔

صاحب نسبت عالم اور غیر صاحب نسبت عالم کے علم میں فرق کی مثال

اسی حقیقت کو حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ وہ عالم جو اہل اللہ کی صحبت میں تکمیلِ سلوک کر کے صاحبِ نسبت ہو جاتا ہے اور عالم ظاہر غیر صاحبِ نسبت کے علوم میں فرق کی ایسی مثال ہے جیسے ایک حوض کا پانی ہے جو خشک ہو جاتا ہے اور ایک اس چشمہ کا پانی جس کے اندر نیچے تک گہرا کھودا گیا اور سَوتا نکل آیا تو اس

کا پانی کبھی ختم نہ ہوگا۔ پس یہ دوسری مثال عالم صاحبِ نسبت کے علم کی مثال ہے اور اوّل مثال عالم ظاہر کے علم کی ہے۔

قطرۂ علمے کہ دادی تو ز پیش
متصل گرداں بدریاہائے خویش

یَاغِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اھْدِنَا
لَاافْتِخَارَ بِالْعُلُوْمِ وَالْغِنٰی

اے خدا! آپ نے جو علم کا قطرہ جلال الدین رومی کی جان میں عطا فرمایا ہے اس قطرۂ علم کو اپنے غیر محدود دریائے علم سے متصل فرمادیجیے۔ اے فریاد سننے والے فریاد کرنے والوں کی فریاد کے! مجھ کو ہدایت دیجیے اور ہدایت پر قائم بھی رکھیے۔ ہم کو اپنے علم پر کوئی بھی فخر نہیں اور نہ ہم علم کے سبب آپ کی عنایات سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔

یعنی اگر آپ کا کرم شاملِ حال نہ ہو تو علم ہوتے ہوئے بے عملی میں اہلِ علم مبتلا ہو جاتا ہے۔

کبر کا یہ علاج بھی بہت اچھا ہے

ارشاد فرمایا کہ حدیثِ پاک میں ہے کہ جس کے اندر رائی کے دانے کے برابر یعنی ذرّہ برابر بڑائی ہوگی جنت میں جانا تو درکنار جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا جب کہ جنت کی خوشبو میلوں جائے گی۔

اب کبر دو طرح پر ہوتا ہے: آدمی اپنے کو یا تو مسلمانوں سے بہتر سمجھے گا یا کافروں سے بہتر سمجھے گا تو حضرت حکیم الامت مجدد الملّت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک جملہ سے دونوں کا علاج ہو جاتا ہے کہ یا اللہ! میں تمام مسلمانوں سے کمتر ہوں فی

الحال اور کافروں اور جانوروں سے کمتر ہوں فی المآل۔ جب یہ سمجھے گا کہ میں تمام مسلمانوں سے خواہ بے نمازی ہو، داڑھی منڈاتا ہو کتنا ہی گناہ گار ہو میں اس سے کمتر ہوں کہ ممکن ہے اس کا کوئی عمل قبول ہوگیا ہو جس کی وجہ سے اس کا سب معاف ہوجائے اور میرا کوئی عمل ناپسندیدہ ہوگیا ہو جس کی وجہ سے میرے سب کیے دھرے پر پانی پھر جائے اور میری پکڑ ہوجائے۔ اسی طرح اگر کافر کا خاتمہ ایمان پر ہوگیا اور خدانخواستہ میرا خاتمہ خراب ہوگیا تو وہ کافر مجھ سے اچھا ہے پس جب یہ سمجھے گا تو اپنی بڑائی کیسے آئے گی۔ اس لیے عقل کا تقاضا ہے کہ جب تک زندہ ہے اور انجام کا علم نہیں تو دوسروں سے خود کو اچھا نہ سمجھے۔ اسی لیے حکیم الامت تھانوی غلبۂ خوف میں فرماتے تھے کہ قیامت کے دن نہ جانے اشرف علی کا کیا حال ہوگا اور آبدیدہ ہوجاتے تھے۔

حکیم الامتؒ کا خود کو مسلمانوں اور کافروں سے کمتر سمجھنے کا یہ جملہ کبر کا بہترین علاج ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ایک شخص تفسیر پڑھا رہا ہے، بخاری شریف پڑھا رہا ہے، وہ گالی گلوچ بکنے والے قصائی سے یا کسی شرابی کبابی سے خود کو کیسے کمتر سمجھے؟ تو فرمایا: یہ احتمال قائم کرلو کہ ممکن ہے اس گناہ گار کا کوئی عمل قبول ہو جس کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمت کے تحت ہو اور میرا یہ بخاری پڑھانا قبول نہ ہو جس کی وجہ سے میں اللہ کے غضب کے تحت ہوں۔ اسی طرح کافروں سے کمتر سمجھنے کا بھی یہی طریقہ ہے کہ احتمال قائم کرلو کہ ممکن ہے اس کا خاتمہ اللہ کے یہاں ایمان پر مقدر ہو اور میرا خاتمہ خدانخواستہ میری کسی شامتِ عمل سے خراب لکھا ہو جیسے حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کا قصہ ہے کہ ایک ہندو بنیا مر گیا تو مولانا نے

خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں ٹہل رہا ہے۔ پوچھا کہ لالہ جی! آپ جنت میں کیسے آگئے؟ تو کہا کہ مرتے وقت میں نے ''اَن کہی'' پڑھ لی تھی، ہندو کلمہ کو ان کہی کہتے ہیں یعنی نہ کہنے والی بات۔

دیکھیے حضرت حکیم الامتؒ نے دین کو کیسا سمجھا کہ اپنے کو کمتر سمجھنے کا احتمال قائم کرلو، یقین کرنا فرض نہیں ہے، یہاں احتمال ہی سے کام بن جائے گا اور کبر کا علاج ہوجائے گا۔ اگر یقین کرنا فرض ہوتا تو کتنی مشکل ہوجاتی، یقین کیسے ہوتا کہ میں کمتر ہوں اور احتمال قائم کرنا آسان ہے کہ یہ مسلمان جو گناہ گار نظر آرہا ہے ممکن ہے اس کا کوئی عمل قبول ہواور یہ اللہ کا پیارا ہواور میرا کوئی عمل نامقبول ہوگیا ہو جس سے اللہ مجھ سے ناراض ہو۔ اسی طرح کافروں کے متعلق بھی احتمال قائم کرلو کہ ممکن ہے اس کا خاتمہ اچھا ہوجائے اور ممکن ہے کہ خدانخواستہ میرا خاتمہ خراب ہوجائے۔ اس احتمال کے ہوتے ہوئے دل میں کیسے بڑائی آئے گی اس لیے حضرت حکیم الامتؒ کا یہ جملہ صبح و شام کے معمولات میں داخل کرلو دماغ سے ان شاء اللہ! کبر نکل جائے گا اور دعا بھی کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دل و دماغ سے تکبر نکال دیں۔

شیخ کو اجازت کا گھمنڈ نہ ہونا چاہیے

اجازت کا نہ تو گھمنڈ ہونا چاہیے اور نہ اس کو دلیل کمال یا دلیل تکمیل سمجھنا چاہیے بلکہ اجازت کے بعد تو محنت اور مشقت میں اور اضافہ ہونا چاہیے، حضرت قطب الارشاد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کو اعلیٰ حضرت نے بیعت کرنے کے آٹھویں روز خلافت و اجازت عطاء فرما دی تھی اور فرمایا تھا کہ میاں مولوی رشید احمد جو نعمت حق تعالیٰ نے مجھے دی تھی وہ آپ کو

دیدی، آئندہ اس کو بڑھانا آپ کا کام ہے۔ حضرت قطب العالم قدس سرہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں اس وقت بہت ہی متعجب ہوا کہ حضرت کیا فرماتے ہیں۔ وہ کونسی چیز ہے جو اعلیٰ حضرت کو حق تعالیٰ نے دی تھی اور مجھے عطاء ہوئی آخر پندرہ برس کے بعد معلوم ہوا تھا کہ کیا تھا (تذکرۃ الرشید جلد۔۱)۔

تذکرۃ الرشید ہی میں لکھا ہے کہ بیعت کے وقت حضرت قدس سرہ نے اعلیٰ حضرت حاجی صاحب سے عرض کیا کہ مجھ سے ذکر و شغل اور محنت و مجاہدہ کچھ نہیں ہوسکتا اعلیٰ حضرت نے تبسم کے ساتھ فرمایا، اچھا کیا مضائقہ ہے اس تذکرہ پر کسی خادم نے دریافت کیا کہ حضرت پھر کیا ہوا آپ نے جواب دیا اور عجیب ہی جواب دیا کہ پھر تو مرمٹا (فقط)

حضرت نے بالکل صحیح فرمایا، شیخ المشائخ ہونے کے بعد اخیر زمانہ تک سنا ہے کہ ذکر بالجہر نہیں چھوڑا میں نے اپنے اکابر میں مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہ کو شدید بیماری سے کچھ پہلے تک اور حضرت شیخ الاسلام اور اپنے چچا جان کو دیکھا کہ بہت اہتمام سے ذکر بالجہر کرتے رہے۔ اور مشائخ سلوک کا تو مقولہ مشہور ہے کہ جس چیز کی برکت سے یہاں پہنچے اب اسکو چھوڑتے ہوئے شرم آتی ہے۔ بہر حال خلافت و اجازت نہ ہو تو کسی عجب اور بڑائی کا سبب ہونا چاہیے اور نہ اس کے بعد تساہل یا تغافل ہونا چاہیے کہ اس سے یہ دولت جاتی رہتی ہے اکابر کے یہاں اجازت کے بارے میں میں نے اپنے مشائخ کو دو طریقوں پر پایا ہے بعض اکابر کے یہاں تسہیل پائی جیسے سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے یہاں اور حضرت حکیم الامت کے کلام میں بھی گزر چکی ہے اور بعض حضرات کے

یہاں تشدد تھا۔ چنانچہ حضرت قطب الارشاد گنگوہی قدس سرہٗ کے یہاں حضرت کے بعض خدام نے عرض کیا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے بیعت کی اجازت فرمادی ہے لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے یہاں تو ابھی کچھ کام کرنا پڑے گا۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے برخلاف حضرت سہارنپوری وحضرت شیخ الہند کے یہاں بہت تشدد تھا۔ حضرت شیخ الاسلام مدنی قدسرہ کے یہاں اولاً گو تشدد تھا لیکن پھر آخر میں تسہیل پیدا ہوگئی تھی۔

لوگوں کی درخواست کی بنا پر قاری صاحب کا خوب بنا سنوار کر پڑھنا ریا میں داخل ہے یا نہیں؟

ہاں! ایک مضمون میں کچھ کمی رہ گئی ہے اس کو اب پورا کئے دیتا ہوں، اس کے بعد ختم کردوں گا، وہ مضمون یہ ہے کہ میں نے کہا تھا کہ ارضائے خلق للحق ریا نہیں اور حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کی حدیث دلیل میں بیان کی تھی اس میں ایک اشکال کا جواب ہوگیا جو زمانہ دراز تک مجھے بھی رہا، وہ یہ کہ بعض لوگ قراء سے درخواست کرتے ہیں کہ کچھ قرآن سناؤ اب اگر وہ بنا سنوار کر پڑھتے ہیں تو ریا کا شبہ ہوتا ہے کیونکہ وہ تنہائی میں اس طرح بنا سنوار کر نہیں پڑھتے، اور اگر معمولی طور سے پڑھ دیں تو درخواست کرنے والوں کا جی خوش نہیں ہوتا یہ اشکال (ایک عرصہ تک مجھے رہا) پھر بہت دنوں کے بعد الحمدللہ حضرت ابو موسیٰ ؓ کی اس روایت سے رفع ہوا۔

(اس کی تفصیل آگے آرہی ہے) اور معلوم ہوا کہ تطییب قلب مومن (یعنی مؤمن کا جی خوش کرنے) کے لئے خوش آوازی سے قرآن پڑھنا ریا نہیں گو اس میں ارضائے خلق مقصود ہے مگر یہ ارضاء خلق للحق ہے (یعنی اللہ کو خوش کرنے کے لئے

مخلوق کو خوش کرنا ہے) کیونکہ حق تعالیٰ نے تطییب قلب مومن کا امر فرمایا ہے پس جو قاری خوش آوازی سے لوگوں کو قرآن سناتا ہے اگر اس کو دنیا مطلوب نہیں اور وہ قرآن سنا کر روپیہ نہیں لیتا تو یہ بھی اخلاص ہی ہے کیونکہ یہ سب اخلاص ہی کے مراتب ہیں ایک یہ کہ محض خدا تعالیٰ کے لئے کام کرے مخلوق کا اس میں تعلق ہی نہ ہو، اور ایک یہ کہ مخلوق کے راضی کرنے کو کام کرے مگر کوئی غرض دنیوی مطلوب نہ ہو صرف اس کو خوش کرنا مقصود ہو جو دینی غرض ہے، اور ایک درجہ یہ کہ کچھ نیت نہ ہو نہ دنیا مطلوب ہو نہ دین یونہی خالی الذہن ہو کر کوئی عمل کر لیا یہ بھی اخلاص عدم الریا ہے، بس ریاء یہ ہے کہ دنیوی غرض کی نیت ہو۔ (ارضاء الحق ص ۱۷۰)

مرتب کہتا ہے کہ دنیوی غرض سے پڑھنے کی صورت میں قاری میں بتدریج تکبر بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔

دوسروں کی فرمائش کی بنا پر قاری کا خوب بنا سنوار کر پڑھنا ریا میں داخل ہے یا نہیں؟

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ رات ہم نے تمہارا قرآن سنا تو اللہ تعالیٰ نے تم کو صوت داؤدی سے حصہ دیا ہے اس پر حضرت ابو موسیٰ نے عرض کیا۔

"لَوْ عَلِمْتُ بِكَ يَا رَسُولَ اللهِ لَحَبَّرْتُهُ لَكَ تَحْبِيْرًا"

یا رسول اللہ! اگر مجھے یہ خبر ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں تو میں اور زیادہ بنا بنا کر پڑھتا، اس جواب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہیں فرمایا جو کہ تقریر سکوتی ہے، تو اگر کسی شخص کے لئے بنا سنوار کر قرآن پڑھنا مطلقاً ریا میں داخل

ہوتا تو حضرت ابو موسیٰ کی یہ تحبیر (یعنی بنا سنوار کر پڑھنا) بھی ریاء میں داخل ہوتی اور ریا حرام ہے، گو حضور ہی کے دکھلانے کے واسطے ہو کیونکہ ریا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی حرام ہے کسی قاعدہ سے یہ تخصیص نہیں معلوم ہوتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دکھلانے کے واسطے کام کرنا جائز ہے اور وہ ریا نہیں، بہر حال یہ تحبیر بھی ناجائز ہوتی حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ فرمانا اس کے جواز کو ظاہر کر رہا ہے تو یہی کہنا پڑے گا کہ یہاں اس تحبیر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلانا بالذات مقصود نہیں بلکہ حضور کے سنانے سے مقصود آپ کی تطییب قلب (یعنی آپ کا دل خوش کرنے) کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کو راضی کرنا تھا۔

اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص آئینہ میں سے محبوب کا جمال دیکھے تو مقصود آئینہ نہیں ہے بلکہ اس واسطہ سے رؤیت جمال محبوب مقصود ہے، پس اسی طرح اگر قرّاء اس نیت سے بنا سنوار کر قرآن سنائیں کہ اس سے لوگوں کا دل خوش ہوگا اور مسلمان کا جی خوش کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب ہے تو یہ ریا میں داخل نہیں بلکہ طاعت ہے تو جب ہر مسلمان کا راضی کرنا عین ارضاء حق ہے تو شیخ کا تو بہت زیادہ حق ہے۔

مرتب کہتا ہے کہ اگر تحسین قراءت سے مقصود لوگوں کی تعریف حاصل کرنے کا ہے تو یہ بھی راہ تکبر کی طرف قدم بڑھانے میں شامل ہے۔

قراء اور مظاہرہ قرأت کرنے والوں کے لئے عبرتناک حکایت

حضرت بایزید بسطامی نے ایک مرتبہ سورہ طٰہٰ پڑھی پھر خواب میں دیکھا کہ نامۂ اعمال میں سورہ طٰہٰ پوری لکھی ہوئی تھی مگر ایک آیت کی جگہ خالی ہے آپ نے فرشتوں سے پوچھا کہ اس آیت کی جگہ کیوں خالی رہی؟ میں نے تو اس کو بھی پڑھا تھا جواب ملا کہ جس وقت تم نے اس آیت کو پڑھنا چاہا اس وقت ایک شخص اس جگہ سے گزر رہا تھا تو

تم نے اس کو سنانے کو یہ آیت ذرا بنا سنوار کر پڑھی جس سے ریا ہو گیا۔ اس لئے اس آیت کی تلاوت قبول نہیں ہوئی، اس سے معلوم ہوا کہ ریاء کس قدر دقیق ہے کہ بعض دفعہ عارفین کاملین کو بھی پتہ نہیں چلتا کہ ریا ہو گیا، اس لئے اس کا علاج اور علاج کے بعد ہمیشہ نفس کی نگہداشت ضروری ہے، ورنہ بعض دفعہ ریا ایسا بڑھ جاتا ہے کہ انسان مخلوق سے گذر کر خالق کے ساتھ ریا کرنے لگتا ہے اور تمام عادات ذمیمہ کی یہی حالت ہے کہ جب ان کی جڑ جم جاتی ہے تو خالق کے ساتھ بھی ان عادات کو استعمال کرتا ہے۔

مرتب کہتا ہے کہ: اور یہی ریاء والی عادت گھمنڈ اور تکبر کے ناپاک راستہ کی طرف ڈھکیل دیتی ہے، جس سے انسان خدا کی نگاہ میں عزیز ہونے کے بجائے ذلیل ہو جاتا ہے۔

حق تعالیٰ کے ساتھ ریا

اس پر شاید قارئین کو تعجب ہوا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ریا کرنے کی کیا صورت ہے؟ سنئے مثلاً ایک شخص مختصر نماز پڑھ رہا تھا پھر اس وقت اس کا کوئی معتقد آ گیا تو اس نے نماز لمبی کر دی یہ تو کھلی ریا ہے جو ریاء مع الخالق ہے پھر اس نے خلوت میں نماز پڑھی تو اب بھی نماز کو لمبی کرتا ہے اس خیال سے کہ مخلوق کے سامنے تو پھر بھی طویل ہی نماز پڑھنا ضروری ہے سو کبھی حق تعالیٰ یوں نہ کہیں کہ مخلوق کے سامنے تو لمبی نماز پڑھتا ہے اور میرے سامنے مختصر پڑھتا ہے تو یہ لمبی نماز خدا کے لئے نہیں ہے بلکہ مخلوق کے سامنے ریا باقی رکھنے کے

لئے ہے یہ ریاء مع اللہ ہے۔ ایسے ہی تکبر میں جب غلو ہو جاتا ہے اور اس کی جڑ پختہ ہو جاتی ہے تو یہ شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی تکبر کرنے لگتا ہے۔ مثلاً دعا میں عاجزی اور خشوع کر رہا ہے رونے کی سی صورت بنا کر گڑگڑا رہا تھا کہ سامنے سے کوئی دوسرا شخص آ گیا تو اب گڑگڑانا چھوڑ دیا کہ دیکھنے والے کی نظر میں سبکی نہ ہو یہ تکبر مع اللہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور ذلت کی صورت بنانے سے بھی دوسروں کی نظر میں ذلت و عار آتی ہے۔ (تسلیم و رضا ص ۲۸)

متکبرین کی دعوت قبول مت کرو

حدیث شریف میں فخر کرنے والوں کے ہاں کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے۔ جیسے کہ کچھ لوگ بڑی محبت اور عقیدت سے گھر بلاتے ہیں، وہاں تو جانا چاہیے۔ اور کچھ لوگ فخر کے طور پر بلاتے ہیں کہ جی! ہم نے یہ دعوت کی، اتنے لوگوں کو بلایا، یا اتنی Dishes تھیں، بیس بیس طرح کے کھانے تھے۔ جیسے یہ منع ہے، ایسے ہی ہدیہ دینے والے کی غرض اگر Photosession کی ہے۔ علاقے میں لوگوں کو بتانا ہے کہ بھئی فلاں صاحب کو میں نے ہدیہ دیا ہے تو یہ سب چیزیں ٹھیک نہیں ہیں، اور ایسے آدمی سے ہدیہ نہیں لینا چاہیے۔ اس بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ ہدیہ دینے والا گناہ کر رہا ہے، اور لینے والا گناہ میں مدد کر رہا ہے۔ **وَ تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰی ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ** (المائدۃ: 2) ترجمہ: ''نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو''۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ اگر مجھے یقین ہو جائے کہ مجھے ہدیہ دینے والا فخر کے طور پر

کہیں اس کا ذکر نہیں کرے گا تو میں لے لیتا ہوں، اور اگر مجھے یقین ہو جائے کہ یہ مجھے دے گا اور جگہ جگہ بتائے گا اور فخر کرے گا کہ جی! میں نے تو مولانا صاحب کو یہ دیا تھا، تو میں ایسے شخص کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔

تکبر کرنے والوں کو قیامت کے روز چیونٹیوں کی طرح حقیر بنا کر اٹھایا جائے گا

اگر کوئی آدمی متکبر اور بڑا پن کرنے والا ہوگا تو اُسے یہ سزا دی جائے گی کہ چیونٹی کی طرح اُس کا جسم کر دیا جائے گا۔

"يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْثَالَ الذَّرِّ فِيْ صُوَرِ الرِّجَالِ يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ"[1]

متکبرین کو قیامت کے دن آدمیوں کی شکل میں چیونٹیوں کی طرح کر دیا جائے گا، ہر طرف سے ان پر ذلت چھائی ہوگی۔ اور ان کو جہنم میں کھینچ کر لے جایا جائے گا۔

سب لوگ تو بڑے ہوں گے اور یہ چیونٹی کی طرح ہوگا، لوگ اسے اپنے پیروں سے روندتے اور ٹھوکریں مارتے ہوئے ہوں گے تاکہ وہ لوگوں کے سامنے ذلیل ہو جائے، چاہے وہ اپنی جگہ پر بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔

خطیبِ بے عمل کے ہونٹوں کو آگ کی قینچی سے کاٹا جائے گا

اگر کوئی آدمی واعظ ہے لیکن بے عمل ہے تو اُس کے ہونٹوں کو آگ کی قینچیوں سے کاٹا جائے گا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

---

[1]: سنن ترمذی: صفۃ القیامۃ / باب ۱۱۲

"مَرَرْتُ لَيْلَةً أُسْرِيَ بِيْ عَلَى قَوْمٍ تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ مِنْ نَّارٍ قَالَ قُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ؟ قَالُوْا خُطَبَاءُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا كَانُوْا يَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَيَنْسَوْنَ أَنْفُسَهُمْ"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرا جن کے ہونٹوں کو آگ کی قینچیوں سے کاٹا جا رہا تھا تو میں نے کہا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ دنیا کے خطباء ہیں جو لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے تھے اور اپنے آپ کو بھول جاتے تھے۔[1]

قیامت میں تکبر کرنے والے بادشاہ بھی چیونٹی کی طرح ہو جائیں گے

جو متکبر بڑے بڑے بادشاہ ہوں گے وہ لوگوں کے مقابلے میں چیونٹیوں کی طرح ہوں گے۔[2]

خاص طور پر اُس دن ایسے لوگوں کو چھوٹا بنا کر اُٹھایا جائے گا تا کہ اُن کی ذلت ظاہر ہو اور لوگوں کو اُن کی حقیقت کا پتہ چل جائے کہ یہ فرعون ہے، یہ ہامان ہے، یہ شداد ہے، دنیا میں لوگ جسے بڑا سمجھتے تھے آج ان کی یہ حیثیت ہے۔

غرض یہ کہ ہر آدمی کی اپنے گناہ کے اعتبار سے ایک خاص نشانی ہوگی، اور وہ خاص عذاب میں مبتلا ہوگا، فرشتے اسے دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔

اسی کا ذکر کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمَاهُمْ** مجرم اپنی خاص علامتوں اور نشانیوں کی وجہ سے پہچان لئے جائیں گے۔

تکبر کسے کہتے ہیں- اور اسکا عذاب اور وبال کیا ہے؟

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ

---

۱ : معجم طبرانی: ۸۴۵۷ و مسند احمد ابن حنبل: مسند انس بن مالک، ۱۲۲۳۲۔

۲ : سنن ترمذی: باب من ابواب صفۃ القیامۃ والرقاق والورع

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَّنَعْلُهٗ حَسَنًا قَالَ اِنَّ اللهَ تَعَالٰى جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ۔ [۳]

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو، یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا کہ کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اور اس کا جوتا اچھا ہو (تو کیا یہ تکبر ہے) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے، جمال کو پسند کرتا ہے (اچھا کپڑا اور اچھا جوتا پہننا تکبر نہیں ہے بلکہ) تکبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکرائے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔'' [۴]

تشریح: انسان کے اندر جہاں بہت سی خوبیاں ہیں وہاں بہت سی برائیاں اور خرابیاں بھی ہیں، ان میں سے ایک بہت بڑی خرابی تکبر بھی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبر کا مطلب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حق بات کو قبول نہ کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا تکبر ہے، اگر کوئی اچھا کپڑا یا اچھا جوتا پہن لے اور دوسرے آدمیوں کو حقیر نہ جانے اور حق بات کو قبول کرنے سے گریز نہ کرے تو یہ تکبر نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص اچھے کپڑے اور اچھا جوتا پہن کر اپنے کو بڑا سمجھنے لگے اور دوسروں کو حقیر جاننے لگے، اور جب کوئی حق بات اس سے کہی جائے تو اسے قبول کرنے کو اپنی ہتک سمجھے، تو یہ تکبر ہے۔

---

۳ (رواہ مسلم)

۴ مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۳، از مسلم

غریب اور کم حیثیت والے شخص کے تکبر کی بُرائی اور زیادہ ہوجاتی ہے

بہت سے لوگ غریب بھی ہوتے ہیں، ان کے پاس اچھا کپڑا تو کیا بہ قدرِ ضرورت معمولی کپڑا بھی نہیں ہوتا، لیکن پھر بھی حق کو قبول نہیں کرتے اور لوگوں کو خواہ مخواہ حقیر جانتے ہیں، یہ بھی تکبر ہے۔

کسی میں علم کی وجہ سے اور کسی میں مال کی وجہ سے اور کسی میں جاہ ومرتبہ اور عہدہ کی وجہ سے تکبر ہوتا ہے، اور بعض لوگوں کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا، جاہل بھی ہوتے ہیں اور فقیر بھی، پھر بھی اپنے آپے میں نہیں سماتے، یہ لوگ خواہ مخواہ دوسروں کو حقیر جانتے ہیں، اور حق بات کو ٹھکراتے ہیں اور اس بارے میں مال اور جاہ مرتبہ والوں سے بھی آگے آگے ہوتے ہیں، تکبر یونہی بدترین چیز ہے، پھر جب تکبر کا کوئی سبب بھی موجود نہ ہو، نہ مال ہو، نہ جاہ ہو، نہ علم ہو تو اس کی برائی اور زیادہ ہوجاتی ہے۔

بندہ بندہ ہے اسے بڑا بننے کا کیا حق ہے؟ اس کو تو ہر وقت اپنی بندگی پر نظر رکھنی چاہیے۔ اللہ نے جو کوئی نعمت عطا فرمائی ہے (علم ہو یا مال ہو یا جاہ ومرتبہ ہو) اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے، اور یہ سمجھے کہ میں اس قابل نہیں تھا، اللہ جل شانہٗ کا فضل وانعام ہے کہ اس نے مجھے یہ نعمت عطا فرمائی ہے۔ اللہ کی عظمت اور کبریائی پر اور اپنی بے بسی اور ضعف وعاجزی پر جس قدر نظر ہوگی اسی قدر تکبر سے نفرت ہوگی اور دل میں تواضع بیٹھتی چلی جائے گی، جس میں پاخانہ بھرا ہوا ہو اور جس کو موت آنی ہو، اور جس کا بدن قبر کے کیڑے کھانے والے ہوں، اس کو تکبر کہاں زیب دیتا ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۔

''اور اپنے گال مت پھلا لوگوں کی طرف اور مت چل زمین پر اتراتا ہوا، بے شک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی فخر کرنے والا بڑائی کرنے والا۔''

نیز ارشاد فرمایا: وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ

''اور اللہ کو پسند نہیں کوئی اترانے والا بڑائی مارنے والا۔''

اور ارشاد فرمایا: اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ

''بے شک وہ نہیں پسند کرتا تکبر کرنے والوں کو۔''

غرور وشیخی، خود پسندی یہ سب تکبر کی شاخیں ہیں، جن لوگوں میں تکبر ہوتا ہے بس وہ صرف اپنے ہی خیال میں بڑے ہوتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں ان کی ذرا بھی عزت نہیں ہوتی، اور جو لوگ تواضع اختیار کرتے ہیں، یعنی لوگوں سے ایسا معاملہ رکھتے ہیں کہ اپنی بڑائی کا ذرا بھی خیال نہیں ہوتا، وہ لوگوں کے نزدیک محبوب ہوتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ منبر پر ارشاد فرمایا کہ اے لوگو تواضع اختیار کرو، کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص اللہ کے لیے تواضع اختیار کرے، اللہ اس کو بلند فرما دے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے نفس میں چھوٹا ہوگا اور لوگوں کی آنکھوں میں بڑا ہوگا، اور جو شخص تکبر اختیار کرے گا اللہ اس کو گرا دے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگوں کی آنکھوں میں چھوٹا ہوگا اور اپنے نفس میں بڑا ہوگا۔ (لوگوں کے نزدیک اس کی ذلت کا یہ عالم ہوگا کہ) وہ اس کو کتے اور سور سے بڑھ کر ذلیل جانیں گے۔[1]

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ تکبر کرنے والے لوگوں کا قیامت کے دن اس طرح حشر ہوگا کہ وہ انسانی شکلوں میں چیونٹیوں کے برابر چھوٹے چھوٹے جسموں میں ہوں گے، ان پر ہر طرف سے ذلت چھائی ہوئی ہوگی، وہ جہنم کے جیل خانہ کی طرف ہنکا کر لے جائیں گے، اس جیل خانہ کا نام بولس ہے، ان لوگوں پر آگوں کو جلانے والی آگ چڑھی ہوگی، اور ان لوگوں کو دوزخیوں کے جسموں کا نچوڑ (پیپ وغیرہ) پلایا جائے گا جس کو طینة الخبال کہتے ہیں۔[1]

لوگوں کو حقیر سمجھنے والے متکبر تو بہت ہیں، لیکن جو لوگ حق کو ٹھکراتے ہیں ان کی بھی کمی نہیں ہے، بعض مرتبہ کسی بے نمازی سے کہا جاتا ہے کہ نماز پڑھ، تو کہتا ہے کہ کون اٹھک بیٹھک کرے، اور تم جنت میں چلے جانا، ہم دوزخ میں چلے جائیں گے اور جب کبھی کسی بے روزہ دار سے کہا جاتا ہے کہ روزہ رکھو، تو جواب دیتا ہے کہ روزہ وہ رکھے جس کے گھر میں اناج نہ ہو، اور جب کہا جاتا ہے کہ بیاہ شادی میں سنت طریقہ اختیار کرو تو کہتے ہیں کہ ہم کوئی غریب ہیں جو سنت پر چلیں۔ یہ سب باتیں حق کو ٹھکرانے کی ہیں، اور کفریہ باتیں ہیں، ان سے ایمان جاتا رہتا ہے، بہنو، تم تواضع اختیار کرو، تکبر سے بچو، اپنے بچوں کو بھی اسی راہ پر ڈالو، کسی کو حقیر نہ جانو اور دین کی ہر بات کو صدق دل سے قبول کرو، حق کو ٹھکرا کر اپنی دنیا و آخرت کو خراب نہ کرو۔

واعظین اپنے کو بڑا سمجھنے کے بجائے خادم دین سمجھیں

فرمایا: آج لوگ وعظ ونصیحت کر کے اپنے آپ کو بڑا اور مخلوق کو حقیر سمجھتے ہیں، یہ بڑی

---

[1] (ترمذی)

غلط بات ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے زمانے کے ''حکیم الامت'' مانے جاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جب میں کسی کو وعظ کہتا ہوں یا نصیحت کرتا ہوں، تو اپنے آپ کو یوں سمجھتا ہوں کہ بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ شہزادے کو یہ بات سنادو۔

بہت بڑی بات فرمائی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے، جو انسان سامعین کو شہزادہ تصور کرے وہ ان کو حقیر کیسے سمجھ سکتا ہے؟ اس لیے کہ بادشاہ کسی خادم کے ذریعے شہزادے کو کوئی بات کہلوائے تو خادم شہزادے سے بڑا نہیں ہوجاتا؛ مگر افسوس ہے کہ واعظین آج لوگوں کو حقیر سمجھتے ہیں اور ان کے لیے نامناسب القاب استعمال کرتے ہیں؛ اصلاح کی ضرورت ہے۔

ایک بزرگ کا قصہ

ایک بزرگ کسی بادشاہ کو زور زور سے ڈانٹنے لگے، تو اس نے کہا: حضرت! آپ موسی علیہ السلام سے بڑے نہیں ہیں اور میں فرعون سے گھٹیا نہیں ہوں، جب اللہ نے موسی علیہ السلام جیسے نبی کو فرعون جیسے کافر کے پاس بھیجا تھا، تو اس سے بھی نرمی سے بات کرنے کی ہدایت دی تھی: {فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلاً لَّيِناً لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشٰى: آپ مجھے اتنی شدت وسختی سے کیسے کہہ سکتے ہیں؟ کیا میں فرعون سے بھی گیا گزرا ہوں اور آپ موسیٰ علیہ السلام سے بھی فائق ہیں؟

کبر اور استغناء میں فرق

یہ ہے کہ کبر کی تعریف اگر صادق آئے تو کبر ہے ورنہ استغناء اور کبر یہ ہے کہ اپنے کو کسی کمال میں دوسرے سے بڑا سمجھے اور اس کے ساتھ اس کو حقیر سمجھے۔

خودرائی کا علاجِ کامل:

تہذیب: ابتدا میں خودرائی کا علاج اسی میں منحصر ہے کہ (۱) ہر وقت اہتمام اور مراقبہ رہے کہ اس ذمیمہ کا قرب وقوع تو نہیں ہوا، (۲) جب محسوس ہو اس کے مقتضٰی کی عملاً مخالفت کی جائے۔ (۳) اگر پھر بھی وقوع ہو جائے نفس کو کچھ مناسب سزا دی جائے خواہ بدنی ہو یا مالی، مثلاً: یہ خیال رکھا کہ کسی امر میں اپنی رائے پر عمل کرنے کا عزم تو نہیں ہوا جب معلوم ہوا کہ اس رائے پر عمل نہ کیا اگر غلطی سے پھر بھی ہو گیا دس رکعت نفل جرمانے کی ادا کرے یا دو آنہ پیسے خیرات کرے۔

تکبر اختیاری ہے اور غیر اختیاری کا ترک بھی اختیاری ہے:

(تہذیب) اپنے آپ کو کسی سے بڑا سمجھنا باطناً یا ظاہراً اس طرح کہ اس کو حقارت کی نظر سے دیکھے یہ تکبر ہے، بس تکبر اختیاری ہے اور اختیاری کا ترک بھی اختیاری ہوتا ہے، اور یہی علاج ہے۔ یہ تفاوت ضرور ہے کہ اوّل اوّل ترک اور مقاومت میں تکلف ہوتا ہے پھر تکرار اور مزاولت سے مقاومت اور مدافعت سہل ہو جاتی ہے، اس لیے اصطلاح میں اسی اخیر درجہ کا نام علاج ہے یعنی جس سے عمل میں تکلف نہ ہو۔

بلا اختیار اپنے کو بڑا سمجھنا مذموم نہیں لیکن بقصد ایسا سمجھنا کبر ہے:

(تہذیب) کسی کمال میں اپنے کو دوسرے سے اس طرح بڑا سمجھنا کہ اس کو حقیر و ذلیل سمجھے، یہ سمجھنا اگر غیر اختیاری ہے تو اس پر ملامت نہیں بشرطیکہ اس کے مقتضا پر عمل نہ ہو، یعنی زبان سے اپنی تفضیل دوسرے کی تنقیص نہ کرے، دوسرے کے ساتھ برتاؤ تحقیر کا نہ کرے اور اگر قصداً ایسا سمجھتا ہے یا سمجھتا تو بلا قصد ہے مگر اس کے مقتضائے مذکور پر بقصد

عمل کرتا ہے تو مرتکب کبر کا اور مستحقِ ملامت اور عقوبت ہے اور اگر زبان سے اس کی مدح وثنا کرے اور برتاؤ میں اس کی تعظیم کرے تو اعون فی العلاج ہے۔

ریا (دکھلاوا) شرک ہے جو توحید کے منافی ہے

محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بڑی خوفناک چیز جس سے میں تم پر اندیشہ کرتا ہوں شرک اصغر ہے، لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شرک اصغر کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا ریا۔ (احمد)

(فائدہ) ظاہر ہے کہ ریا کاری میں غیر اللہ معبود نہیں ہوتا البتہ مقصود ضرور ہوتا ہے، جب غیر اللہ کا مقصود ہونا شرک ہوا تو توحید جو شرک کا مقابل ہے اس کی حقیقت یہ ہوگی کہ اللہ ہی مقصود ہو، غیر اللہ بالکل مقصود نہ ہو، یہی معنی ہیں ''لا مقصود الا اللہ'' کے۔ (فروع الایمان ص ۱۱)

ریا کاری شرک کیوں ہے

حدیث میں اس جملہ (وَلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا) کی تفسیر میں لَا يُرَائِيۡ وارد ہوا ہے، یعنی عبادت میں شریک نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ریا نہ کرے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تفسیر گویا حق تعالیٰ کی تفسیر ہے۔ اور آیت میں ریا کو جو شرک سے تعبیر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ریا کی حقیقت یہ ہے کہ عبادت کو کسی کے دکھلانے کے واسطے کیا جائے، اور ظاہر ہے کہ جس کو دکھلانا مقصود ہوتا ہے وہ بھی فی الجملہ عبادت میں مقصود ہے تو اس شخص نے عبادت میں خدا کے ساتھ دوسرے کو بھی شریک کیا اور یہ شرک فی القصد ہے اس لئے ریا کو حق تعالیٰ نے شرک فرمایا۔ (ارضاء الحق)

حدیث پاک میں لایشرک کی تفسیر لایرائی آئی ہے، یعنی مطلب یہ ہے کہ عبادت میں ریا نہ کرے، اس سے معلوم ہوا کہ ریا شرک ہے، حالانکہ ریا میں غیر اللہ معبود نہیں ہوتا مگر چونکہ فی الجملہ مقصود ہوتا ہے کہ اس کی نظر میں بڑا بننے کے لئے بنا سنوار کر عبادت کی جاتی ہے اس لئے اس کو شرک فرمایا، اور یہ بالکل عقل کے مطابق ہے کیونکہ غیر اللہ کی عبادت جوارح (اعضاء) سے ہوتی ہے اور جب وہ شرک ہے تو قلب سے غیر اللہ کو مقصود بنانا کیوں کر شرک نہ ہوگا، یہ تو قلبی عبادت ہے۔ (وعظ غریب الدنیا ملحقہ دنیا و آخرت ص ۱۰۳)

اس (پوری تفصیل) سے معلوم ہوا کہ توحید صرف لامعبود الا اللہ کا نام نہیں، یعنی توحید صرف اس کا نام نہیں کہ خدا کے سوا کسی کو معبود نہ سمجھے، بلکہ لامقصود الا اللہ بھی کمالِ توحید ہے، یعنی خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو مقصود بھی نہ سمجھے۔ اور جب خدا کے سوا کسی کو مقصود نہ سمجھے گا تو اب اس کی کسی پر نظر نہ رہے گی، نہ کسی سے خوف و طمع ہوگی، اور جو شخص ریا کار ہوگا اس کو مخلوق سے امید و ہراس بھی ہوگا۔ اور جو ریا سے پاک ہوگا اس کو کسی سے امید و ہراس بھی نہ ہوگا کیونکہ اسے غیر حق پر نظر ہی نہ ہوگی جب توحید کامل ہو جاتی ہے تو اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ خدا کے سوا کسی سے رجا و خوف (یعنی امید و لالچ اور ڈر و خوف) نہیں رہتا۔

توحید قصدی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو قصد میں بھی یکتا واحد سمجھے، کہ بجز حق تعالیٰ کے کسی چیز کو مقصود اور مطلوب نہ بنائے، اس درجہ کا عنوان لامقصود الا اللہ ہے، اس درجہ میں بہت لوگ کوتاہی کر رہے ہیں اور توحید کے اس درجہ کا مقابل شرک قصدی یعنی غیر اللہ کو مطلوب و مقصود بنانا، اور اسی شرک کا ایک فرد ریا بھی ہے، اور توحید کے یہ دونوں درجے مطلوب ہیں۔ (وعظ ارضاء الحق، ملحقہ تسلیم و رضا ص ۱۵۶)

فائدہ: ریا کے معنی یہ ہیں کہ عبادت کے ذریعہ سے جاہ کی طلب کی جائے۔

(خطبات الاحکام ص ۱۰۸)

مرتب کہتا ہے کہ: ریاء ایک ایسا کبیرہ گناہ ہے جو جاہ کا دروازہ کھولتا ہے اور جاہ تکبر مذموم کی بہن ہے۔

ریاء کار کا نہایت ہی بُرا انجام حدیث کی روشنی میں

جو لوگ محض نمائش کے لئے عمل کرتے ہیں یعنی فقط اس واسطے کہ لوگ کہیں کہ صاحب یہ بڑے عمل کرنے والے ہیں۔ ان کی بابت حدیث شریف میں وارد ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت میں سب سے اول ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جو اللہ کے راستہ میں شہید ہوا ہوگا۔ اس کو بتلایا جائے گا کہ ہم نے تم کو یہ یہ نعمتیں دی تھیں، وہ ان سب نعمتوں کا اقرار کرے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ ہم نے تو تم کو یہ یہ نعمتیں دیں اور تم نے اس میں عمل کیا کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ میں نے آپ کی راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ اپنی جان دے دی۔ ارشاد ہوگا کہ تم جھوٹے ہو، ہم کو خوش کرنے کے لئے جان نہیں دی، **بَلْ لِيُقَالَ إِنَّكَ جَرِي**۔ بلکہ اس لئے جان دی کہ سب میں یہ شہرت ہو جائے کہ بڑے بہادر تھے۔ **فَقَدْ قِيْلَ**۔ تو تمہاری تعریف اور شہرت ہو چکی، جو تمہارا مطلب تھا وہ دنیا ہی میں تم کو حاصل ہو چکا، تمہارا مقصد پورا ہو گیا۔ پھر حکم ہوگا کہ اس کو منھ کے بل جہنم میں پھینک دیا جائے، پھر ایک بڑے عالم کو بلایا جائے گا، اسی طرح اس سے پوچھا جائے گا کہ کہیے صاحب! آپ نے کیا کیا؟ وہ کہے گا میں نے یوں وعظ کہے، یوں نصیحتیں کیں، یوں لوگوں کو ہدایت کی اور یوں علم سکھایا۔

ارشاد ہوگا یہ ہمارے واسطے نہیں کیا بَلْ لِيُقَالَ اِنَّكَ قَارِئٌ بلکہ اس واسطے کہ لوگوں میں مشہور ہو کہ بڑے عالم ہیں، بس تو آپ بھی وہیں تشریف لے جایئے جہاں آپ کے بھائی صاحب گئے ہیں، ذرا غور تو کیجئے حدیث میں یہ آیا ہے کہ اس کو بھی منہ کے بل جہنم میں پھینک دیا جائے گا، پھر ایک سخی صاحب لائے جاویں گے ان سے بھی یہی سوال کیا جائے گا وہ کہے گا کہ میں نے بہت مال و دولت اللہ کے راستہ میں خرچ کیا تھا، ارشاد ہوگا کہ اس واسطے نہیں کیا کہ ہم راضی ہوں، بَلْ لِيُقَالَ اِنَّكَ جَوَادٌ بلکہ اس واسطے کہ لوگ کہیں کہ بڑے سخی ہیں، ان کی داد و دہش کا کیا کہنا۔ بس سارے شہر میں وہی تو ایک سخی ہیں۔ اگر کوئی اور بھی سخی ہوگا تو فلا نے کے برابر نہیں ہوگا۔ فَقَدْ قِيْلَ سو جو تمہارا مقصد تھا وہ حاصل ہو چکا، لہٰذا تم بھی وہیں جاؤ جہاں تمہارے دو بھائی جا چکے ہیں، چنانچہ اس کو بھی جہنم میں منہ کے بل پھینک دیا جائے گا، تو حضرت یہ تین عمل کتنے بڑے بڑے ہیں، علم دین، سخاوت، شہادت، اب ان سے بڑھ کر اور کونسا عمل ہوگا، لیکن دیکھ لیجئے ریا کی بدولت ان کی کیا گت بنی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس شخص کا عمل صرف عمل کی صورت ہے حقیقتاً عمل ہی نہیں۔ (وعظ طریق القلندر ملحقہ حقیقت تصوف و تقویٰ ص ۲۸۰)

ذرا ریاء کی حقیقت اور اس کی تعریف بھی دیکھ لیجئے

ریا کا حاصل یہ ہے کہ کسی دینی یا دنیوی عمل کو لوگوں کی نظر میں بڑائی حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے، کبر و عجب و حبِّ جاہ میں یہ ذریعہ بنانے کی قید نہ تھی (کمالات اشرفیہ ص ۱۰۵)

اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی قبول ہو جاتا ہے اور اخلاص بھی نہ ہو تو خالی الذہن ہو کر بھی عمل مقبول ہو جاتا ہے، خالی الذہن کے معنی یہ ہیں کہ نہ دکھاوے کی نیت ہو نہ خدا کے لئے نیت ہو، اصل ریا دل میں ہوتی ہے، صورتِ ریا جائز ہے۔ (کمالات اشرفیہ ۱۲۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو جگہ خیلا (تفاخر) جائز ہے، ایک صدقہ میں، دوسرے عدو دین (یعنی دشمنان اسلام) کے مقابلہ میں۔

فرمایا تعلق فی اللہ والے کی رضا (یعنی جس شخصیت سے اللہ واسطے تعلق ہو اس کی خوشنودی اور رضا) کا قصد اللہ ہی کے رضا کا قصد ہے اور وہ عین اخلاص ہے مثلاً شیخ کو خوش کرنے کے لئے تہجد پڑھنا خلاف اخلاص نہیں (جب کہ بڑا بننے کی غرض سے اور فاسد نیت سے نہ ہو) (کمالات اشرفیہ ص ۱۰۷)

ایک لطیفہ

ایک دفعہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نے سنایا کہ ایک گھر میں بیوی میاں سے ہر وقت لڑتی تھی، بے چارا تنگ آ چکا تھا۔ ایک دن وہ پکوڑے پکا رہی تھی میاں باہر سے آیا، بے چارے کو بھوک لگ رہی تھی، وہ پکوڑے کھانے لگا، بیوی اس پر خوب چیخی چلّائی، خوب بُرا بھلا کہا یہاں تک کہ بے چارہ تنگ آ گیا اور اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر کہا کہ یا اللہ! یا تو میں مرجاؤں اور یا...... جیسے ہی اس نے یا کہا تو بیوی نے چمٹا دکھایا جس سے پکوڑے پکا رہی تھی اور کہا کہ یا کیا؟ تو مارے ڈر کے کہتا ہے کہ یا بھی میں ہی مرجاؤں۔ بے چارہ کہنے جا رہا تھا کہ یا میں مرجاؤں یا یہ میری بیوی مرجائے مگر چمٹے کے ڈر سے کہا کہ یا بھی میں ہی مرجاؤں۔ دیکھا آپ نے جب عورت ظالم ہوتی ہے تو یہ معاملہ کرتی ہے۔

آہ آہ کر کے اللہ کو حاصل کرو کہاں کی واہ واہ میں پڑے ہو

آہ! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کسی کو سنانے کے لیے کوئی

کام کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب سنوائیں گے اور کوئی شخص مخلوق کو دکھلانے کے لیے کوئی کام کرے کہ لوگ دیکھیں اور خوش ہوں اور میرا نام ہو تو ایسے شخص کے عیب اللہ تعالیٰ قیامت کے روز دکھلائیں گے۔ اسی کا نام ریا ہے۔ اس لیے جو کام کرو اللہ کے لیے کرو، یہ سمجھ لو کہ ساری مخلوق خوش ہو کر واہ واہ کرے تو آپ کو ایک ذرّہ نہ آرام دے سکتی ہے نہ تکلیف پہنچا سکتی ہے۔ مخلوق کے ہاتھ میں نہ عزت ہے نہ ذلت ہے، نہ موت نہ حیات، نہ تندرستی نہ بیماری۔ پھر ایسی عاجز مخلوق میں کیا واہ واہ تلاش کر رہے ہو۔ ارے! آہ آہ کر کے اللہ کو حاصل کرو۔ کہاں کی واہ واہ میں پڑے ہو، جو واہ واہ میں پڑا وہ واہی ہو گیا اور واہی کے بعد تباہی ہو گیا۔ ایسے کو لوگ کہیں گے کہ کیا واہی تباہی بک رہے ہو! مخلوق کی واہ واہ میں مت پڑو، اللہ پر نظر رکھو۔

ریا اور سمعہ کا بیان

ریا کہتے ہیں اپنی عبادتوں سے مخلوق کے دل میں عزت و مرتبہ طلب کرنے کو، اور ریا بدون نیت کے خود بخود نہیں چپک جاتی جیسا کہ اکثر سالکین وسوسۂ ریا کو ریا سمجھ کر پریشان رہتے ہیں۔ اخلاص کی نیت ہو یہی کافی ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جس عبادت میں ریا کا خوف ہو اس کو کثرت سے کرے پھر وہ عادت اور عادت سے عبادت بن جاتی ہے۔ حضرت خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

وہ ریا جس پر تھے زاہد طعنہ زن — پہلے عادت پھر عبادت بن گئی

علماء نے لکھا ہے اگر تعریف کسی سے سنے اور اس سے خوش ہو تو یہ علامت وجودِ ریا کی ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی ستاری یاد کر کے خوش ہوا کہ اس کریم ذات نے

میرے عیوب وسیئات کومخلوق سے پوشیدہ رکھا اور حسنِ ظن ڈالا اپنی مخلوق میں اور ظاہر فرمایا ہمارے حسنات وطاعات کو اور شکر بجالایا تو یہ ریا نہیں بلکہ یہ فضل ولطفِ حق پر سرورِتشکر ہے یعنی شکر احسانات الٰہیہ سے ہے۔ضروری ہے کہ ہر عبادت کے شروع میں بھی ریا سے بچے اور درمیان میں بھی اور بعد عمل کے بھی۔آمین۔

ایک تواضع نے پورے خاندان کو بچالیا اور ایک تکبر نے پورا خاندان تباہ کردیا،ایک دلچسپ فرضی حکایت

دب جانے اور چھوٹا بن جانے پر ایک حکایت یاد آئی ایک شیخ صاحب ڈاڑھی چڑھائے ہوئے چلے آرہے تھے راستے میں ایک خانصاحب ملے،ان کو شیخ صاحب کا ڈاڑھی چڑھانا سخت ناگوار ہوا،اور کہا کیوں بے تو ہماری برابری کرنے لگا؟ شیخ جی بڑے چالاک تھے کہا کہ برابری کیوں نہ کریں ہم تجھ سے کس بات میں کم ہیں، خانصاحب کو اور غصہ آگیا،اور کہا کہ اچھا آلڑلے! شیخ جی نے کہا یوں نہیں لڑتے، لڑائی لڑنی ہی ہے تو اچھی طرح لڑیں گے پھر اپنے پیچھے بیوی بچوں کو بیوہ اور یتیم چھوڑیں گے تو کس کام کی بات ہوگی،لڑنا ہے تو پہلے اپنے اپنے کنبہ (خاندان اور گھروالوں) کو ختم کرلو پھر دل کھول کر لڑو،خانصاحب کو غصہ بیحد چڑھا ہوا تھا زور میں آکر اس کے لئے بھی تیار ہوگئے اور گھر جا کر تمام کنبہ (گھر والوں) کو صاف کردیا۔ اور لوٹ کر آئے اور کہا اب لڑلے،شیخ جی نے کیا کیا کہ اپنی ڈاڑھی اتار لی اور کہا کہ لو بھائی تم ہی جیتے میں ہارا،میں تمہاری برابری نہیں کرتا،تم بڑے اور میں چھوٹا۔

تواضع ایسی بڑی چیز ہے جس کی بدولت شیخ جی اور شیخ جی کا کنبہ صحیح اور سالم رہا،

اور تکبر ایسی بری چیز ہے کہ جس کی بدولت خانصاحب کا پورا کنبہ غارت ہو گیا۔ اور اگر شیخ جی بھی اکڑتے ہی جاتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ شیخ جی کا سارا کنبہ بھی صاف ہو جاتا بلکہ شیخ جی بھی نہ رہتے اور خانصاحب بھی نہ رہتے، اگر مرتے بھی نہیں تو زخمی تو ہو ہی جاتے ایک تواضع نے ان کا پورا کنبہ بچا لیا اور دونوں کی جان بچائی۔[1]

دین اسلام نے علم کے غرور کو بھی چکنا چور کر دیا

یہ دین جس کی طرف مسلمان اپنا انتساب کرتے ہیں آگے بڑھنے جہاد و دعوت اور اخلاق کا دین ہے وہ ایسی طاقت سے مالا مال ہے جو ہر جامد چیز میں زندگی کی روح پھونک دیتی ہے اس دین پر عمل کر کے مسلمان داعی اور معلم اخلاق بن کر اپنے علاقوں سے نکلے اور ظلم و استبداد کی طاقتوں سے لوہا لیا اور جو اللہ کے راستے میں نکلے انھوں نے گوشہ نشینوں کے مقابلے میں اعلی درجہ حاصل کیا اور جو تحصیل علم کے راستے میں نکلے انہوں نے زاہدوں اور گوشہ نشینوں کے مقابلے میں اعلی درجہ حاصل کیا، انسان کو ظلم و تاریکی سے نکالنے اور ایک انصاف پسند معاشرہ کو وجود میں لانے، نیز اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کی غرض سے انہوں نے علم حاصل کیا اور دور دراز علاقوں میں پھیل گئے اس کیلئے اپنی جانیں دیں اپنا مال خرچ کیا اور باطل کا مقابلہ کیا۔ یہ دین تواضع، سادگی اور نفس کے محاسبہ اور ایثار کا دین ہے اور ان طاقتوں سے مقابلہ کرنیکا دین ہے جو غرور، گھمنڈ اور قومی فخر پر قائم ہوا اور ایک نسل کی دوسری نسل پر برتری کا احساس رکھتی ہوں اور ان میں انسانوں کی مختلف نسلیں ایک دوسرے کی برابری نہ کرسکتی ہوں یہ دین تمام میدانوں میں بنیادی انقلاب کا علمبردار ہے۔

---

[1] (السوق لاہل الشوق ص ۱۷)

دنیا میں دین وحکومت اور دین اور علم کے درمیان فاصلہ پایا جاتا تھا اسلام نے ایسے میدانوں میں وحدت قائم کی جو ایک دوسرے کے برعکس سمجھے جاتے تھے، اسلامی تاریخ میں ایسے متعدد حاکم پیدا ہوئے جو عظیم شہنشاہوں کے مالک ہونے کے باوجود اپنی زندگی میں زاہد تھے اپنے ہاتھ کی کمائی پر زندگی بسر کرتے تھے اور اللہ کے خوف سے ان کے قلوب معمور تھے یہ ایک بے مثال اتحاد تھا اسلامی تاریخ میں بہت سے فرمانرواؤں کی مثالیں موجود ہیں جو بیک وقت حاکم بھی تھے اور زاہد بھی تھے۔ اس دین نے فقیر وغنی کے درمیان وحدت قائم کی اور یہ ایک ایسی وحدت ہے جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی یعنی مالدار فقیر اور فقیر غنی اور ان مالدار فقراء اور فقراء مالدار کی مثالیں اسلامی تاریخ میں بہت ہیں اس دین نے انسانیت کی بھلائی میں ایک اور انقلاب برپا کیا اور وہ ہے علم اور نفی علم کے درمیان وحدت پیدا کرنا، اس نے یہ کہہ کر علم کے غرور اور گھمنڈ کو ختم کر دیا۔ وَمَا اُوْتِيتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيلًا تمہیں صرف تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے چوٹی کے عالموں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ مجھے اس کا علم نہیں اس تصور نے حصول علم کا دروازہ کھول دیا اس دین نے کمزور اور طاقت ور مالدار اور غریب کے درمیان فاصلہ کم کیا اور ایک دوسرے کے درمیان محبت اور تعاون کا جذبہ پیدا کیا جو اس دین پر فخر بجا ہے اور یہ دین اس شخص کے لیے عزت و بزرگی کا سرچشمہ ہے جو اس کو اپناتا اور اس پر کاربند ہوتا ہے۔

یہی وہ مذہب ہے جو غالب رہنے والا ہے اور جس نے اس کو تھام لیا اور اس کی ہدایات پر عمل پیرا ہوا اور اس کو اپنی زندگی کا رہنما قرار دیا وہ بھی غالب رہنے

والا ہے جس طرح یہ دین دوسرے ادیان پر فوقیت رکھتا ہے اسی طرح سے مسلم کی زندگی دوسروں کی زندگیوں پر فوقیت رکھتی ہے مسلمان اپنے لباس، کھانے پینے کے انداز اور اپنے اخلاق عالیہ اور اپنے غصہ وسکون اور فقر وحکومت اپنے اپنے خشوع وخضوع اور اپنے حق کے حصول اور طاعت میں دوسرے ادیان کے لوگوں سے قطعی طور پر مختلف ہوتا ہے جس طرح سے اس کا دین دوسرے ادیان سے مختلف ہے اس لیے ہمیشہ مسلمان اپنے دین پر عمل کرنے کے اعتبار سے عزت وذلت کا مستحق ہوتا ہے۔

لیکن آج مسلمان کی زندگی بدل گئی ہے وہ اس برتر دین کی طرف اپنے کو منسوب کرتا ہے لیکن دین زندگی کے مختلف معاملات میں جس طرز عمل کا اس سے مطالبہ کرتا وہ اس سے کوسوں دور ہے اور وہ اپنی زندگی کے گذارنے اور اپنی مشکلات کے حل کرنے میں یہاں تک کہ جو دعوت وجہاد کے سلسلے میں بھی اس فکر وعمل اور طریقہ کار کو اختیار کر لیتا ہے جو دعوت وجہاد کے دشمن اس کے لیے پیش کرتے ہیں اس کا اللہ کی طرف دعوت دینا بھی آمیزش سے خالی نہیں ہے اس کی دعوت موجودہ غیر اسلامی دعوتوں سے متاثر ہے اور وہ اپنی زندگی میں وہی وسائل اختیار کرتا ہے جو عصر حاضر کے باطل افکار کے پھیلانے والے اختیار کرتے ہیں اور اپنے کام کی انجام دہی میں ان ہی لیڈروں اور رہنماؤں کی پیروی کرتا ہے جن کا خلاق ودین سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے اس لیے موجودہ عہد کا مسلمان اسلامی تعلیمات کے بجائے غیر اسلامی طرز عمل پر عامل ہے اسلئے اس کی جد وجہد کے نتائج مختلف ہیں۔

اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ مسلمان اپنی ان مشکلات کے حل کرنے کے لیے جو اس کے دشمنوں کی پیدا کردہ ہیں اور اپنی زندگی کے راستے کی رکاوٹوں کو دور کرنے

کے لیے اسی طریقہ کار کو اختیار کرتا ہے جس کو اس کے مخالفوں نے اس کے لیے تجویز کیا ہے، یہ ایک عجیب وغریب صورتحال ہے، یہ حقیقت میں احسان فراموشی ہے اور یہ ایک نا قابلِ معافی گناہ ہے اور یہی انحراف ونافرمانی مسلمانوں کی شکست وبدحالی اور ذلت ومشکلات کا سب سے بڑا سبب ہے۔

{جلد ہفتم} شیخ طریقت حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر محمد ادریس حبان رحیمی چرتھاولی حفظہ اللہ)

عورتیں غرور اور تکبر سے پرہیز کریں ورنہ خدا کی نگاہ میں گر جائیں گی

ہمارے معاشرے میں بے شمار ایسی خواتین ہیں جو اپنے حسن وجمال کی وجہ سے بے جا نخوت، غرور اور تکبر کی لعنتوں میں مبتلا ہیں، دو سہیلیاں ہیں، ایک دوسرے سے زیادہ خوب صورت ہے، وہ احساس برتری کے پندار میں مبتلا ہے، دو بہنوں میں ایک زیادہ حسین ہے، وہ دوسری بہن کو کم تر سمجھتی اور نخوت وکبر میں ڈوبی ہوئی ہے، ظاہری حسن وجمال کی پرستش کے ماحول میں حسین وطرح دار خواتین احساسِ برتری اور تکبر کی وجہ سے دینی اقدار کو پامال کر رہی ہیں، اور اعلیٰ حسن وجمال نہ رکھنے والی خواتین احساس کم تری؛ بلکہ اللہ سے گستاخانہ شکووں میں مبتلا ہو کر دینی تعلیمات کو نظر انداز کرنے کی مجرم بن رہی ہیں، اور دونوں کو اصلاح کی ضرورت ہے۔

حسن وجمال کی دولت سے مالا مال خواتین کی یہ دینی ذمہ داری ہے کہ احساس برتری اور تکبر کی نفسیات سے اپنے آپ کو پاک کریں، اُنہیں ہمہ وقت اپنا محاسبہ کرنا چاہئے کہ: کیا وہ خود بخود پیدا ہوگئی ہیں؟ کیا ان کے حسن میں اُن کے کسی کمال یا اختیار

کو دخل ہے؟ ان کو حسن و جمال کی دولت کیا اس لئے دی گئی ہے کہ وہ دوسروں سے برتر اور دوسرے ان سے کم تر ہیں؟ کیا یہ دولت اللہ تعالی کی نعمت نہیں ہے، جس پر ان میں تکبر کے بجائے تواضع اور بندگی کا جذبہ پیدا ہو؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ اگر چہ وہ زیادہ خوب صورت ہیں؛ لیکن ان سے کم حسن والی باتوفیق بندیاں عبادت اور تقویٰ میں ان سے کہیں بلند پایہ ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ صرف حسن ظاہر رکھتی ہیں، جب کہ ان سے کم حسن ظاہر کی حامل بندیاں حسن سیرت اور پاکیزگیٔ قلب کے لحاظ سے ان سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی ہیں؟ یہ محاسبہ اپنے آپ کو تکبر اور نخوت کے جرم سے بچائے رکھنے کے لئے بے حد ضروری ہے۔

تکبر اللہ عزوجل کی نگاہ میں انتہائی مبغوض اور سنگین جرم ہے، اللہ نے صاف اپنی ناپسندیدگی کا اعلان فرمادیا ہے:

اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا۔ (النساء:۳۶)

ترجمہ: بے شک اللہ کسی اِترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔

صاف واضح کردیا گیا ہے کہ تکبر جنت اور اس کی نعمتوں سے روکنے والی چیز ہے، ارشاد نبوی ہے:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ۔ (مسلم شریف)

ترجمہ: جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں نہیں داخل ہوسکے گا۔

لَا يَدْخُلُ شَيْءٌ مِنَ الْكِبْرِ الْجَنَّةَ۔ (مسند احمد)

ترجمہ: تکبر کا کوئی حصہ جنت میں نہیں داخل ہوسکتا۔

أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ؟ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُتَكَبِّرٍ۔ (بخاری شریف)

ترجمہ: کیا میں تم کو جہنمیوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ہر سرکش، بدمزاج، اکڑ کر چلنے والا اور متکبر (جہنمی ہے)

تکبر جس طرح اللہ کو ناپسند ہے، خلق خدا بھی اسے ناگوار سمجھتی ہے، صالح معاشرے میں تکبر کرنے والوں کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا، اللہ نے دنیا میں بھی عظمتیں اور بلندیاں، محبتیں اور مقبولیت تواضع کے ساتھ وابستہ کردی ہیں، تکبر کی سزا دنیا میں بھی ذلت، ناکامی اور خلق خدا کی طرف سے ناپسندیدگی کی شکل میں ملتی ہے، اسی لئے قرآن وسنت کے نصوص میں ہر بندے اور بندی کو تکبر کے رذیلے سے پاک رہنے اور تواضع کا جوہر پیدا کرنے کی جابجا تاکید فرمائی گئی ہے، خواتین کو بطور خاص اپنے حسن و جمال پر ناز، نخوت اور کبر کے گناہ میں مبتلا ہونے کے بجائے تواضع، عجز اور قدرِ نعمت کے اعلیٰ اوصاف واخلاق اپنے اندر پیدا کرنے چاہئیں۔

قوم نوح کو میجوریٹی کے غرور نے گمراہ کیا

قوم کو سمجھایا، لیکن قوم کو کیا خیال تھا؟ ارے نبی نوح کی قوم میں حیثیت کیا؟ اور نبی نوح کے ماننے والے کتنے؟ ان کے تو تھوڑے..........اور ہم بہت زیادہ۔

یہ اقلیت میں ہیں..........اور ہم اکثریت میں ہیں

حضرت نوحؑ بڑے درد کے ساتھ اللہ کی جناب میں شکوہ کرتے ہیں

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا۔ (سورۂ نوح)

پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات کی اندھیریوں میں بھی اور دن کے اجالوں

میں بھی تیرا تعارف کرایا تجھ سے وابستہ کرنے کی آواز لگائی اور میں نے ان کو پکارا......لیکن جتنا میں نے ان کو قریب کرنا چاہا اتنے ہی وہ دور بھاگے۔

وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا۔ (سورۂ نوح)

پروردگار! میں نے ان کو یہ سمجھایا کہ تم اگر اس کلمہ کی دعوت کو قبول کر لیتے ہو، اللہ تمہارے پچھلے سارے گناہ معاف کردے گا، تمہاری دنیا، آخرت دونوں بنادے گا، جب میں نے ان سے یہ کہا تو انہوں نے کانوں میں انگلیاں دے لی، .... نبی نوح! ہمیں (آپ کی بات نہیں سننا)۔

اے اللہ! میں تو انہیں بشارتیں سنا رہا تھا، انہیں وعدے سنا رہا تھا، اللہ معاف کرے گا، مغفرت ہوجائے گی، توبہ قبول ہوجائے گی، جنت میں ٹھکانہ ہوجائے گا، دنیا میں خدا کی مدد شامل حال ہوجائے گی، ....لیکن ان کو تو مجھ سے ایسی وحشت ہوئی کہ چہروں پر کپڑے ڈال دیے، کہ نہ بات سنیں نہ صورت دیکھیں۔

اے اللہ! میں کیا کرتا ....اور پھر میں نے ان کے سمجھانے میں کسر نہیں چھوڑی، ایک دن دو دن، سال، دو سال، دس سال، پچاس، سو سال .... اے اللہ ساڑھے نو سال تک۔

لیکن ان کو یہی خیال رہا، ہم اکثریت میں .... یہ اقلیت میں
ہم اکثریت میں .... یہ اقلیت میں،

اب اللہ کو گھمنڈ اتارنا تھا، ....وہ اللہ ایک اکیلا تن تنہا، بلا شرکت غیرے، سب

کچھ کے بغیر سب کچھ کرسکتا ہے.......... اور سارا سب کچھ اس ایک اکیلے کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا۔ ہم نے اللہ کو کیا سمجھا ہے؟[1]

فخروغرور کے طور پر مسجدوں کو آراستہ ومزیّن کرنے سے عمل کا فساد شروع ہوجائے گا

حضرت علی کا ارشاد ہے: جب لوگ اپنی مساجد کو مزیّن کرنے لگیں تو اُن کے اعمال فاسد ہوجائیں گے۔ إِنَّ الْقَوْمَ إِذَا زَيَّنُوا مَسَاجِدَهُمْ فَسَدَتْ أَعْمَالُهُمْ ۔ (مصنف عبدالرزاق:5140)

نبی کریم ﷺ کا اِرشاد ہے: تمہاری مساجد کو بھی اسی طرح مزیّن کیا جائے گا جیسا کہ یہود ونصاریٰ نے اپنے کلیساؤں اور گرجا گھروں کو مزیّن کیا ہے۔ تُزَخْرَفُ مَسَاجِدُكُمْ كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى بِيَعَهَا۔ (مصنف عبدالرزاق:5131)

حضرت حوشب طائی فرماتے ہیں: کسی امّت نے اپنے اعمال خراب نہیں کیے مگر اِسی طرح کہ اُنہوں نے اپنی مساجد کو مزیّن کرنا شروع کردیا۔ مَا أَسَاءَتْ أُمَّةٌ أَعْمَالَهَا إِلَّا زَخْرَفَتْ مَسَاجِدَهَا، وَمَا هَلَكَتْ أُمَّةٌ قَطُّ إِلَّا مِنْ قِبَلِ عُلَمَائِهَ۔ (مصنف عبدالرزاق:5133)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: مجھے مساجد کو مزیّن کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ مَا أُمِرْتُ بِتَشْيِيدِ الْمَسَاجِدِ،قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ:لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى۔ (ابوداؤد:448)

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب تم اپنے مصحف (قرآن

[1] خطبات دعوت از: مولانا احمد لاٹ صاحب

کریم) کو مزیّن اور مساجد کو آراستہ کرنے لگو گے تو سمجھ لو کہ تمہاری ہلاکت آ گئی ہے: إِذَا حَلَّيْتُمْ مَصَاحِفَكُمْ، وَزَخْرَفْتُمْ مَسَاجِدَكُمْ فَالدَّبَارُ عَلَيْكُمْ ۔ (مصنف عبدالرزاق:5132)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ لوگ مساجد کے بارے میں ایک دوسرے پر فخر کرنے لگیں گے۔ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ۔ (ابوداؤد:449)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ لوگوں پر ضرور ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ مسجدیں بنا کر اُس پر ایک دوسرے سے تفاخر کریں گے اور اُس کو آباد کرنے والے بہت تھوڑے ہوں گے۔ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَبْنُونَ الْمَسَاجِدَ يَتَبَاهَوْنَ بِهَا، وَلَا يَعْمُرُونَهَا إِلَّا قَلِيلًا ۔ (ابن ابی شیبہ:3146)

يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَتَبَاهَوْنَ بِكَثْرَةِ الْمَسَاجِدِ، لَا يَعْمُرُونَهَا إِلَّا قَلِيلًا ۔ (طبرانی اوسط:7559)

دنیا کے متاعِ غرور ہونے کا مطلب

دنیا مطلق بُری نہیں۔ بعض نادان صوفی ہر وقت دنیا کو لات مارو، دنیا کو لات مارو کہتے رہتے ہیں۔ چند دن کھانے کو نہ ملے تو یہ لات بھی مارنے کو نہیں اُٹھ سکے گی۔ دنیا دھوکے کی پونجی جب ہے جب یہ آخرت سے غافل کر دے، اور اگر دنیا کو آخرت کا ذریعہ بنا لیا جائے یعنی اللہ کے دین کی اشاعت میں، علماء و مشائخ کی خدمت میں صَرف کرے تو یہی دنیا بہترین متاع ہے۔

"وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ" أَيْ لِمَنِ اطْمَأَنَّ بِهَا وَلَمْ يَجْعَلْهَا ذَرِيْعَةً لِّلْاٰخِرَةِ وَمَطِيَّةً لِّنَعِيْمِهَا ۔ رُوِيَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ رَحِمَهُ

اللہ : اَلدُّنْیَا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ إِنْ اَلْھَتْكَ عَنْ طَلَبِ الْاٰخِرَةِ، فَأَمَّا إِذَا دَعَتْكَ إِلٰی طَلَبِ رِضْوَانِ اللہِ تَعَالٰی وَطَلَبِ الْاٰخِرَةِ فَنِعْمَ الْمَتَاعُ وَنِعْمَ الْوَسِيْلَةُ۔

کبر وغرور، فساد اور بگاڑ پھیلانے کا نقصان

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ (القصص:۸۳)

وہ جو آخرت کا گھر ہے ہم نے اسے ان لوگوں لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (القصص:۸۳)

کے لئے تیار کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور انجام نیک تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

فخر وغرور کا استیصال

عرب میں جو اخلاق ذمیمہ، جاہلیت کی یادگار رہ گئے تھے وہ نسب کا فخر وغرور عام لوگوں کی تحقیر، ہجو وبدگوئی، عشق وہوا پرستی، بادہ نوشی اور مے پرستی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام بیہودہ اخلاق کا استیصال کر دیا۔ جو چیزیں فخر وغرور کی علامت تھیں، بالکل مٹا دیں۔ لڑائیوں میں قبائل اپنے قبیلوں کی جے پکارتے تھے، اس کو حکماً بند کر دیا۔ آقا اور نوکر کی جو تمیز تھی بالکل اٹھا دی۔ ایک دفعہ صفوان بن امیہ نے جب بہت سے معزز لوگوں کے ساتھ ان کی دعوت کی اور نوکروں کو کھانے پر نہیں بٹھایا تو نہایت برافروختہ ہو کر کہا کہ "خدا ان سے سمجھے جو نوکروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔"

ایک دفعہ بہت سے لوگ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو بڑے رتبے کے صحابی تھے ملنے گئے۔ جب وہ مجلس سے اٹھے اور تعظیم کے لئے لوگ ان کے ساتھ

ساتھ چلے، اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادھر آ نکلے۔ یہ حالت دیکھ کر ابی کے ایک کوڑا لگایا۔ ان کو تعجب ہوا اور کہا خیر ہے! یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا **او ماتری فتنة للمتبوع مذلةً للتابع** (اسد الغابہ ترجمہ زبرقان) یعنی تم نہیں جانتے یہ امر متبوع کے لئے فتنہ اور تابع کے لئے ذلت ہے۔

تواضع سے انسان بلند اور تکبر سے کتّا اور سور سے بھی نیچا ہو جاتا ہے

تواضع یعنی فروتنی اور خاکساری اُن خاص اخلاق میں سے ہے جن کی قرآن وحدیث میں بہت زیادہ تاکید فرمائی گئی ہے، اور بڑی ترغیب دی گئی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان بندہ ہے اور بندہ کا حسن وکمال یہی ہے کہ اُس کے عمل سے بندگی اور نیازمندی ظاہر ہو، اور تواضع اور خاکساری بندگی اور عبدیت ہی کا مظہر ہے، جیسے کہ اس کے بالکل برعکس تکبر کبریائی کا مظہر ہے، اور اسی لئے وہ شان بندگی کے قطعاً خلاف اور صرف خدا ہی کے لئے زیبا ہے۔

عَنْ عَيَاضِ بْنِ حِمَارٍ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ اللّٰهَ أَوْحَى إِلَيَّ ، أَنْ تَوَاضَعُوا حَتَّى لَا يَبْغِي أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ وَلَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عیاض بن حماز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اور حکم بھیجا ہے کہ تواضع اور خاکساری اختیار کرو جس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ کوئی کسی پر ظلم وزیادتی نہ کرے، اور کسی کے مقابلہ میں فخر نہ کرے۔ (سنن ابی داؤد)

عَنْ عُمَرَ قَالَ : وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ " يَاأَيُّهَا النَّاسُ ، تَوَاضَعُوا فَإِنِّي سَمِعْتُ

رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللهُ، فَهُوَ فِي نَفْسِهِ صَغِيرٌ، وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيمٌ، وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللهُ، فَهُوَ فِي أَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيرٌ، وَفِي نَفْسِهِ كَبِيرٌ، حَتَّى لَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ أَوْ خِنْزِيرٍ " (رواه البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک دن خطبہ میں برسرِ منبر فرمایا: لوگو! فروتنی اور خاکساری اختیار کرو، کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے، جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے (یعنی اللہ کا حکم سمجھ کر اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے) خاکساری کا رویہ اختیار کیا (اور بندگانِ خدا کے مقابلہ میں اپنے کو اونچا کرنے کے بجائے نیچا رکھنے کی کوشش کی) تو اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے خیال اور اپنی نگاہ میں تو چھوٹا ہوگا، لیکن عام بندگانِ خدا کی نگاہوں میں اونچا ہوگا۔ اور جو کوئی تکبر اور بڑائی کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو نیچے گرادے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ عام لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل وحقیر ہو جائے گا، اگرچہ خود اپنے خیال میں بڑا ہوگا، لیکن دوسروں کی نظر میں وہ کتوں اور خنزیروں سے بھی زیادہ ذلیل اور بے وقعت ہو جائے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ الْخُزَاعِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ؟ كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَاعِفٍ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ. أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ؟ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ. (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ ہر وہ شخص جو (معاملہ اور برتاؤ میں اکھڑ اور سخت نہ ہو، بلکہ) عاجزوں کمزوروں کا سا اس کا رویہ ہو، اور اس لئے لوگ اس کو کمزور سمجھتے ہوں (اور اللہ کے ساتھ اس کا تعلق ایسا ہو کہ) اگر وہ اللہ پر قسم کھالے، تو اللہ اس کی قسم پوری کر دکھائے۔ اور کیا میں تم کو بتاؤں کہ دوزخی کون ہے؟ ہر اکھڑ، بدخو اور مغرور شخص۔ (بخاری ومسلم)

تشریح۔۔۔اس حدیث میں اہل جنت کی صفت "ضعیف، متضعف" بتلائی گئی ہے، اس سے مراد وہ ضعف وکمزوری نہیں ہے جو قوت وطاقت کے مقابلہ میں بولی جاتی ہے، کیوں کہ وہ ضعف وکمزوری کوئی قابل تعریف صفت نہیں ہے، بلکہ ایک حدیث میں تو صراحۃً فرمایا گیا ہے کہ۔ "اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ وَاَحَبُّ اِلَی تَعَالَی مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ" (طاقتور مسلمان خدا کے نزدیک کمزور مسلمان سے زیادہ بہتر اور محبوب ہے، بلکہ جیسا کہ ترجمہ میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یہاں ضعیف ومتضعف سے مراد وہ شریف الطبع متواضع اور نرم خو شخص ہے جو معاملہ اور برتاؤ میں عاجزوں اور کمزوروں کی طرح دوسروں سے دب جائے، اور اس لئے لوگ اسے کمزور سمجھیں اور دبالیا کریں۔ اسی لئے اس حدیث میں ضعیف ومتضعف کے مقابلہ میں عتل، جواظ، متکبر کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تواضع ونرمی اور عاجزی اہل جنت کی صفت ہے، اور غرور استکبار اور اکھڑپن دوزخیوں کے اوصاف ہیں۔

اس حدیث میں جنتیوں کی صفت میں "ضعیف ومتضعف" کے ساتھ ایک بات یہ بھی

فرمائی گئی ہے کہ اگر وہ بندہ اللہ پر قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم پوری کردے۔ بظاہر اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس طرف اشارہ فرمانا ہے کہ جب کوئی بندہ! اللہ کے لئے اپنی خودی کو مٹا کر اُس کے بندوں کے ساتھ عاجزی اور فروتنی کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کی لاج رکھے گا، اور اس کی بات کو پورا کردکھائے گا، یا یہ کہ اگر وہ بندہ کسی خاص معاملہ میں اللہ کو قسم دے کر اُس سے کوئی خاص دعا کرے گا، تو اللہ اُس کی دعا ضرور قبول کرے گا۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ رَجُلٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ. (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا، جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔ (مسلم و بخاری)

تشریح۔۔۔ کبریائی اور بڑائی دراصل صرف اس ذات پاک کا حق ہے جس کے ہاتھ میں سب کی موت وحیات اور عزت وذلت ہے، جس کے لئے کبھی فنا نہیں، اور اس کے علاوہ سب کے لئے فنا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

فرق درمیان ریا وعُجب وتکبر

ریا ہمیشہ عبادات اور دینی امور میں ہوتی ہے اور عُجب اور تکبر دنیا اور دین کے دونوں امور میں ہوتے ہیں پھر تکبر میں آدمی دوسرے کو حقیر سمجھتا ہے اور عُجب میں وہ اپنے کو اچھا سمجھتا ہے گو دوسرے کو حقیر نہ سمجھے۔ پس! تکبر کے ساتھ عجب لازم ہے اور عجب کے ساتھ تکبر لازم نہیں۔

تنبیہ: البتہ اگر کوئی ایسا شخص ہو جس سے شرعاً بغض رکھنا واجب ہو تو اس سے ملنا جلنا اور محبت تو نہ کرے، لیکن اپنے انجام کے خوف سے اس کو حقیر بھی نہ سمجھے کہ ممکن ہے آیندہ یہ مرنے سے پہلے توبہ کر کے آخرت بھی لے جاوے۔ حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

ہیچ کافر را بخواری منگرید
کہ مسلماں بودنش باشد اُمید

یعنی کسی کافر کو بھی ذلت وحقارت سے مت دیکھو، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ مرنے سے پہلے مسلمان ہوکر دنیا سے جاوے۔ البتہ اس سے قلب میں بغض رکھیں گے۔ نفرت اور بغض کے ساتھ دل میں حقارت کا نہ ہونا دونوں باتیں جمع ہوسکتی ہیں، جیسے کوئی حسین شاہزادہ چہرہ پر سیاہی لگا کر چہرہ کالا کرلے تو اس کے چہرے کی سیاہی سے تو نفرت ہوگی مگر شاہزادے کو حقیر نہ سمجھیں گے، کیوں کہ ممکن ہے کہ یہ اپنا چہرہ صابن سے دھو کر پھر صاف ستھرا چاند جیسا کرلے۔ سبحان اللہ! حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیسے کیسے مشکل مسائل کو مثالوں سے حل فرما دیا اور خلاصہ اس کا یہ فرمایا کہ بھائی معاصی سے نفرت ہو مگر عاصی سے نفرت نہ ہو جیسے مرض سے ہر آدمی گھبراتا ہے مگر مریض پر شفقت اور رحمت بھی ضروری سمجھتا ہے۔

خجلت اور تکبر کا فرق

خجلت ایک طبعی انقباض ہے جو خلافِ عادت کام کرنے سے یا حالت پیش آنے سے نفس پر وارِد ہوتا ہے اور سالک کو بعض اوقات غایتِ احتیاط کے سبب اس پر شبہ تکبر کا ہوتا ہے مگر در حقیقت تکبر نہیں ہوتا ہے اور معیار اس کا یہ ہے کہ جس طرح یہ شخص ایک خسیس اور ذلیل کام سے شرماتا ہے، اگر کوئی شخص اس کا بہت زیادہ اکرام اور تعظیم کرے تو بھی اس کو اسی طرح کا انقباض ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو خجلت ورنہ تکبر ہے۔ پس نفس کی تاویل سے ہوشیار رہے کہ یہ تکبر کو

بھی خجلت میں نہ شامل کرلے۔ تفصیلی علاج اپنے شیخ اور مربی سے دریافت کرے۔

تکبر وحیاء کا فرق

بعضے امور ناگوار طبیعت ہوتے ہیں اور ناگواری کی دو وجہ ہوتی ہیں تکبر یا خلاف عادت ہونا، مابہ الامتیاز اور معیار تکبر اور خلاف عادت کا یہ ہے کہ اگر اس شخص کا خلاف عادت اعزاز بھی کیا جائے تب بھی شرمائے تو وہ ناگواری خلاف عادت کی وجہ سے ہے اور اگر ایسا نہ ہو مثلا ایک شخص ہے کہ بازار میں سر پر گٹھا لے کر چلنے سے تو شرماتا ہے اور ہاتھی پر چڑھنے سے نہیں شرماتا گو خلاف عادت ہو تو یہ تکبر ہے اور اگر دونوں میں شرماتا ہے تو خلاف عادت سے رکنا خجلت ہے تکبر نہیں۔[1]

وقار اور تکبر کا فرق

آج کل جو لوگ وقار وقار پکارتے ہیں یہ وقار تکبر کا پوٹلہ ہے ان لوگوں نے تکبر کا نام وقار رکھا ہے، یاد رکھو وقار کے خلاف کام وہ ہے جس میں دین پر بات آتی ہو اور جن میں دینی مصلحت پر کوئی اثر نہ پہنچے محض اپنی عرفی سبکی ہوتی ہو تو ایسا کام کرنا عین تواضع ہے آج کل جو لوگ وقار کا پوٹلہ بغل میں دبائے ہوئے ہیں وہ بیوی کے ساتھ دوڑنے کو خلاف وقار سمجھیں گے۔

اگر کوئی ایسا کہے تو اس کے ایمان کی خیر نہیں یقینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل خلاف وقار نہ تھا ہاں تکبر کے خلاف ضرور تھا۔[2]

کیا اچھا کپڑا پہننا تکبر کی علامت ہے؟

اظہارِ نعمت کے لئے اچھا کپڑا پہننا شرعاً مستحسن اور مطلوب ہے، اللہ تعالیٰ اپنے

---

۱ حسن العزیز ص ۳۰۶ ج ۲۴۔

۲ بدائع ص ۱۳۳

بندوں پر اپنی نعمت کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، جو شخص وسعت کے باوجود بوسیدہ ہیئت اختیار کرتا ہو، تو یہ ایک طرح سے اللہ کی نعمت کی ناشکری ہے، اور اگر کسی کے محض اچھا کپڑا پہننے پر لوگ لعن طعن کرتے ہوں، تو وہ قابلِ توجہ نہیں؛ اِس لئے کہ محض اچھا کپڑا پہننا تکبر اور غرور کی علامت نہیں ہے۔[1]

اپنے چھوٹوں کے سامنے بھی اپنے بڑوں کی خدمت اور ان کا احترام انسانیت کی معراج ہے

فرمایا حضرت شاہ صاحبؒ بڑے درجہ کے بزرگ اور خلیفہ ہیں، ان کے مریدین کا بڑا حلقہ تھا لیکن اس کے باوجود حضرت قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ان کی مجلس میں جا کر بیٹھا کرتے تھے ان سے استفادہ کرتے تھے، اور ان کو ذرا بھی احساس نہ ہوتا تھا کہ میں اپنے مریدین اور شاگردوں کے ساتھ ہوں، ان کے سامنے اس طرح چھوٹا بن کر رہوں گا تو میری شان کے خلاف ہوگا، اس کا خیال بھی نہ ہوتا تھا۔ احقر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ صاحب ملفوظ حضرت اقدسؒ کا بھی یہی مزاج اور یہی عادت تھی بڑوں کی خدمت میں خود حاضر ہوتے، استفادہ کرتے اپنے چھوٹوں کے ہوتے ہوئے بھی اپنے بڑوں کی خدمت کرتے اور ذرا بھی اس میں عار نہ فرماتے، ایک مرتبہ اپنے استاد حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحبؒ گنگوہیؒ کی خدمت میں سہارنپور تشریف لے گئے احقر اس وقت مظاہر علوم میں زیر تعلیم تھا حضرت اقدس مفتی صاحب لیٹے ہوئے تھے اور حضرت مولانا کو دیکھا کہ طلبہ

---

[1] (سنن الترمذی ۲/۱۰۹ رقم: ۲۸۱۹، المسند للإمام أحمد بن حنبل ۲/۱۸۲)

کی موجودگی میں حضرت مفتی صاحب کے پیر دبا رہے ہیں۔ اسی طرح ہردوئی حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ کی خدمت میں بکثرت تشریف لے جاتے اور اپنے مریدین وشاگردوں کی موجودگی میں بھی حضرت اقدس مولانا ابرار الحق صاحبؒ کے پیر دبایا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے بڑوں کا ادب نصیب فرمائے۔ (گلدستۂ نبوت جلد 6)

صرف ذکر کرنے سے تکبر کا علاج نہیں ہوتا

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف ذکر کر لینے سے ساری باطنی بیماریوں کا علاج ہوجائے گا، کسی شیخِ کامل سے علاج کروانے کی ضرورت نہیں، ذکر کی برکت سے تمام بیماریاں ختم ہوجائیں گی۔ یاد رکھیں کہ صرف ذکر کرنے سے، وظائف پڑھنے سے، عبادات کو انجام دینے سے تکبر، حسد، کینہ، حب جاہ وغیرہ کا علاج نہیں ہوگا، جب تک کہ کسی باطنی بیماریوں کے ماہر شیخ سے علاج نہ کرایا جائے۔ اگر صرف ذکر وعبادت کر لینے سے تکبر کا علاج ہوتا، تو شیطان کا علاج سب سے پہلے ہوجاتا؛ کیوں کہ اس نے تو بڑی عبادت کی تھی اور کہا جاتا ہے کہ زمین کے چپے چپے پر اس نے سجدہ کیا تھا؛ مگر شیطان میں سب سے بڑی بیماری کیا تھی؟ تکبر ہی نا؟ اللہ کے حکم کو ٹالا اور اللہ کے مقابلے پر آ گیا، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آیت نازل کی ہے: {أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ الْعَالِينَ۔} (ص: ۷۵) (کیا تو تکبر کر رہا ہے یا عالین میں سے ہوگیا ہے؟) تو اس کے اندر تکبر کی کی بیماری تھی اور یہ تکبر اس کے اندر پل رہا تھا، بڑھ رہا تھا، پھل رہا تھا، پھول رہا تھا اور کون سے زمانے میں یہ پھل

پھول رہاتھا؟ جب کہ یہ بڑا ذاکر تھا، بڑا شاغل تھا، بڑا عبادت گذار تھا، چپے چپے پراس کے سجدے ہوا کرتے تھے، عین اسی زمانے میں یہ تکبر اس کے اندر بڑھ رہا تھا۔ سمجھے کہ نہیں سمجھے، ہاں! اس کا تکبر ظاہر اس وقت ہوا، جب اللہ نے اسے حکم دیا: {اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ} (البقرة:۳۴)

(آدم کو سب سجدہ کرو!) تو وہاں یہ اللہ کے حکم کے مقابلے میں کھڑا ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے جب سجدے کا حکم دیا، تو اس نے تکبر کی وجہ سے انکار کیا۔ تو کیا تکبر اسی وقت پیدا ہوا؟ نہیں، تکبر پہلے سے تھا، اس تکبر کا اظہار اللہ کے حکم دینے پر ہوا؟ یہ نکتہ سمجھنے کی ضرورت ہے؛ لیکن اس سے پہلے وہ بڑا ذاکر، بڑا شاغل اور بڑا عابد تھا، اتنے طویل زمانے تک اس نے عبادت کی، ذکر واذکار کیا اور اسی زمانے میں اس میں یہ بیماری بھی پل رہی ہے، پھل رہی ہے اور پھول رہی ہے۔ (گلدستۂ نبوت جلد 6)

فخر وتکبر پر حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا شعر

حالاں کہ "خود کو بڑا سمجھنا" کوئی حقیقت نہیں رکھتا، صرف ایک تخیل وخیالی چیز ہے، خود کو انسان بڑا سمجھتا ہے، واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دو شعر یاد آ گئے اور آپ نے یہ اشعار اکبر الہ آبادی مرحوم کے دو اشعار پر اسی زمین میں کہے ہیں۔ اکبر الہ آبادی نے کہا تھا: ایک ہی کام سب کو کرنا ہے یعنی جینا ہے اور مرنا ہے رہ گئی بحث رنج وراحت کہ وہ فقط وقت کا گزرنا ہے اس پر حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اضافہ کیا ہے: رہ گیا عز وجاہ کا جھگڑا یہ تخیل کا پیٹ بھرنا ہے قابلِ ذکر ہی نہیں خورد ونوش یہ بہیمی کی خو سے لڑنا ہے الغرض یہ فخر

وغرور، یہ تکبر؛ محض ایک تخیل ہے، اس کی بنا پر لوگ خود کو بڑا اور صاحبِ عز وجاہ سمجھتے ہیں، جو کہ ایک بے کار بات ہے۔

کس طرح اہلِ ذکر میں فخر وکبر آتا ہے

یہ بتانا تھا کہ ذکر سے اگر تکبر کی بیماری کا علاج ہو جاتا، تو شیطان کی اصلاح پہلے ہو جاتی؛ لیکن اس کی اصلاح نہیں ہوئی؛ بل کہ میں یہ کہہ دوں کہ بسا اوقات دوسروں کے مقابلے میں یہ تکبر عابدین وذاکرین وشاغلین میں زیادہ ہوتا ہے، تو کوئی غلط نہیں ہے۔ مثلاً ایک آدمی ہے، ذکر نہیں کر رہا ہے، پابندی کے ساتھ نماز بھی نہیں پڑھتا، تہجد وغیرہ تو الگ بات ہے، عام نمازوں میں بھی اس کی پابندی نہیں ہے، تو ایسا آدمی تو خود ہی یہ سمجھتا ہے کہ نہ میں ذکر کرتا ہوں، نہ تہجد پڑھتا ہوں، نہ نماز کی مکمل پابندی ہے؛ اس کی وجہ سے وہ خود اپنے آپ کو کم تر وحقیر سمجھتا ہے؛ لیکن ایک اور صاحب ہیں، جو بڑے ذاکر و شاغل و عابد و تہجد گذار ہیں، اس کے دل میں شیطان یہ ڈالتا ہے کہ تو بہت بڑا عظیم الشان آدمی ہے، تو بہت مقبول ومقرب ہو گیا ہے، تجھ جیسا کوئی نہیں ہے۔ تو دیکھیے یہاں ذکر سے تکبر پیدا ہوا اور جوں جوں وہ ذکر میں بڑھنے لگا اس کا تکبر بھی بڑھنے لگا، تو یہ ایسا ہو گیا جیسے شیطان، کہ وہ سب سے بڑا ذاکر بھی تھا اور سب سے بڑا متکبر بھی، بڑی عبادت کی تھی اس نے کہ اس زمانے میں اس سے بڑا کوئی عبادت گذار نہیں تھا؛ لیکن تکبر میں بھی اتنا آگے بڑھ گیا کہ اللہ کے مقابلے میں کھڑا ہو گیا۔ اسی طرح بعض لوگوں کو شیطان ایسی پٹی پڑھا دیتا ہے کہ اس کے

ذکر سے، اس کے شغل سے، اس کی عبادت سے، اس کے اعمال سے، اس کی ریاضت سے، اس کے اندر تکبر پیدا ہو کر بڑھتا رہتا ہے۔ اس کا علاج کیسے کرائے گا؟ یہی نکتہ ہے سمجھانے کا کہ صرف ذکر سے علاج نہیں ہوتا بلکہ اپنے شیخ کو بتانا پڑے گا کہ حضرت میں ذکر کر رہا ہوں، اسی کے ساتھ ساتھ میرے اندر یہ بیماری بڑھ رہی ہے، میں اپنے آپ کو بہت اونچا سمجھ رہا ہوں، برتر سمجھ رہا ہوں، بہت عالی شان سمجھ رہا ہوں اور میں سمجھ رہا ہوں کہ میرے جیسا کوئی نہیں، میرے جیسا عابد کوئی نہیں، میرے جیسا زاہد کوئی نہیں، اب جب وہ بتائے گا؛ تب شیخ بتائے گا کہ میاں! تیرے اندر یہ بیماری ہے اور اس کا علاج یہ ہے، یہ ٹیابلیٹ استعمال کرنا ہے، یہ گولیاں تجھے کھانی ہیں اور گولیوں سے بھی کام نہیں چلا، تو انجکشن لگانا پڑے گا اور اگر اس سے بھی کام نہ ہوا؛ تو آپریشن بھی کرنا پڑے گا، اس طریقے پر اس بیماری کا علاج ہوگا۔ (گلدستۂ نبوت جلد 6)

حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کا تکبر کیسے نکلا

حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک نواسے تھے، ان کا نام تھا حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ، نام تو کچھ اور تھا، کنیت: ابوسعید تھی اور اسی سے مشہور تھے، ان کا مزار بھی گنگوہ میں ہے، بارہا میرا بھی وہاں جانا ہوتا ہے، گنگوہ میں جہاں حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے، اسی کے عقب میں حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ یہ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے تھے، جوانی کے زمانے میں ان کے اندر کچھ بگاڑ آ گیا تھا، آزاد طبیعت کے

ہو گئے تھے، آوارہ گردی آ گئی تھی، ان کے محلے اور اطراف کے لوگ ان کو دیکھ کر افسوس کیا کرتے تھے کہ اتنے بڑے اللہ والے کا یہ نواسہ؛ لیکن حال دیکھو کیا ہے کہ آوارہ گردی میں مبتلا ہیں اور اس میں آگے بڑھتا جا رہے ہیں، ایک بار یہ قصہ ہوا کہ وہ کہیں سے آ رہے تھے، راستے میں دیکھا کہ ایک بڑھیا چرخے میں دھاگہ بن رہی ہے اور لمبی لمبی تاریں یہاں سے وہاں تک باندھی ہوئی تھی، یہ ابوسعید آئے اور دھاگے کو ایک لات ماری، جس سے کہ وہ دھاگے جگہ جگہ سے ٹوٹ گئے، وہ بے چاری رونے لگی اور اسی وقت اس کے منھ سے نکل گیا کہ ارے تیرے گھر میں کیسی عظیم دولت تھی اور تیرا کیا حال ہے؟ یہ سن کر ابوسعید سوچنے لگے کہ میرے گھر میں کون سی دولت تھی؟ یہ عورت کیا کہہ رہی ہے؟ گھر آئے اور اپنی ماں سے پوچھا کہ ہمارے گھر میں وہ کون سی دولت تھی؟ ماں نے بٹھا کر سمجھایا کہ تیرے گھر میں تو ایسی عظیم دولت تھی، کہ ساری دنیا سے آ کر لوگ لے جاتے تھے، یہ تیرے نانا: حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی معرفت کی دولت تھی، اللہ سے تعلق ومحبت کی دولت تھی، یہ دکانِ معرفت تھی، تیرے نانا دکانِ معرفت لگائے بیٹھے تھے اور ساری دنیا کے تشنگانِ علوم ومعرفت یہاں آتے تھے اور یہاں سے سیراب ہو کر جایا کرتے تھے۔ بیٹے کو بٹھا کر ماں نے بہت دیر تک یہ ساری باتیں سمجھائی، تو ان کے دل میں یہ بات آ گئی کہ یہ دولت دراصل روحانی دولت ہے، معرفتِ الٰہیہ کی دولت ہے، محبت وعشقِ الٰہی کی دولت ہے، یہ دولت میرے نانا تقسیم کیا کرتے تھے۔ ماں سے پوچھا کہ اگر میں

یہ دولت لینا چاہوں؛ تو مجھے کہاں مل سکتی ہے؟ ماں نے حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے چند خلفا کے نام لیے، ان میں ایک نام حضرت شاہ نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کا لیا اور کہا کہ یہ حضرت نظام الدین بلخیؒ تیرے نانا سے بڑے گہرے تعلقات رکھنے والے خلیفہ ہیں، ان کو اس دولت کا بڑا حصہ اللہ نے عطا کیا ہے، اگر تم جانا چاہو؛ تو ان کی خدمت میں جاؤ اور ان سے عرض کرو کہ یہ دولت وہ تم کو عطا کر دیں۔ حضرت شاہ ابوسعید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی سمجھ میں سب بات آ گئی، وہ اللہ کے سامنے روئے، گڑگڑائے، اللہ سے معافی مانگی، اپنی گذشتۂ زندگی سے توبہ کیا اور ماں سے وعدہ کیا کہ اب تک کی آوارہ گردی سے میں باز آتا ہوں، آئندہ کی اپنی زندگی کو سدھارنے کی کوشش کروں گا اور اس کے لیے حضرت شاہ نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جانا چاہتا ہوں، آپ اجازت دیجیے۔ ماں کو بڑی خوشی ہوئی اور اس سے بڑی خوشی کیا ہو سکتی تھی؟ کہ ایک آوارہ گرد اُن کا بچہ راہِ راست پر آنے لگا تھا، ماں نے اجازت دی، سفر کی تیاری کی اور اس کے بعد ان کو رخصت کیا، لمبا چوڑا سفر تھا، سفر کرتے کرتے پہنچے اور حضرت نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کو اُنھوں نے پہلے ہی خط بھی لکھ دیا تھا کہ یہ بندہ آپ کی خدمت میں حاضری دینا چاہتا ہے، تو حضرت نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ انتظار میں تھے، لوگوں کو لگا رکھا تھا کہ دیکھتے رہو، اگر ان کی آمد قریب ہو، تو ہمیں اطلاع کر دینا؛ تاکہ ہم ان کا استقبال کریں؛ کیوں کہ یہ میرے شیخ کے نواسے ہیں۔ اب لوگ لگے ہوئے تھے، جب پتہ چلا کہ وہ اُدھر سے آ رہے ہیں، تو شیخ کو اطلاع دی گئی، شیخ نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ اپنے

بہت سارے خلفا، مریدین اور متعلقین کو ساتھ لے کر نکلے اوران کا استقبال کیا، استقبال اس لیے کیا کہ یہ ان کے شیخ کے نواسے تھے اوراپنے شیخ کی عظمت ومحبت وعقیدت نے انھیں مجبورکیا کہ ان کے نواسے کی بھی تعظیم وتکریم کریں، چناں چہ استقبال کیااوران کواپنے خاص مہمان خانے میں ٹھہرایا، ان کے لیے بہت اچھے انتظامات کیے، کھانے کا بندوبست، رہائش کا انتظام وغیرہ کیا۔ جب کھانے اور آرام وغیرہ سے فراغت ہوگئ، توحضرت نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ اس وقت سفر کا مقصد کیا ہے؟ کیسے آنا ہوا آپ کا؟ اتنی دور کا سفر صعوبت وتکلیف کا آپ نے گوارا کیا ہے؟ حضرت ابوسعید کہنے لگے کہ حضرت! میرا مقصدِ سفرتو صرف یہ ہے کہ میرے نانا نے جودولتِ معرفت آپ کوعطا کی ہے، اسی دولتِ معرفت کا ایک حصہ آپ مجھے عطا کردیں ، اسی مقصد سے آپ کی خدمت میں آیا ہوں ۔ جب حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جملے سنے، توسنتے ہی ان کا انداز بدل گیا، اب تک تو یہ انداز تھا، جوآپ سن رہے تھے کہ ان کے آگے بچھے جارہے ہیں، شہر سے باہر نکل کراستقبال کررہے ہیں، بہترین کھانے کا، پینے کا، آرام کا عمدہ سے عمدہ انتظام کیا؛ لیکن جب ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت !میں اس لیے آیا ہوں کہ معرفت کا وہ خزانہ، جوآپ ہمارے نانا کے پاس سے لائے ہیں، اس میں سے کچھ حصہ مجھے بھی مل جائے؛ اس لیے آپ کی خدمت میں آیا ہوں، یہ سنتے ہی حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ

کا مزاج بدل گیا، انداز بدل گیا، انھوں نے کہا کہ اچھا! اس لیے آئے ہو؟ تو پھر آپ ذرا یہاں گدے سے اٹھیے اور یہاں نیچے بیٹھیے، یہ کہہ کر گدے سے اٹھایا اور نیچے بٹھایا اور خود آپ گدے پر تشریف فرما ہوئے اور پھر لمبی چوڑی گفتگو کر کے ان کا نظریہ اور عندیہ مختلف چیزوں کے بارے میں معلوم کیا اور یہ اندازہ کرنے کے لیے، کہ جب یہ آئے ہیں اللہ کی معرفت لینے کے لیے، تو اس بندے کو اللہ کی معرفت دینے کا طریقہ کیا ہونا چاہیے؟ اس لیے کہ معرفت دینے کے لیے طریقہ چاہیے اور دینا ہے، تو یہ لینے والا لینے کے قابل بھی ہے کہ نہیں ہے، یہ دیکھنا بھی ضروری ہے، لینے کے قابل نہیں ہے، تو دے دیں کیسے؟ اگر دل میں صفائی نہیں ہے، دل میں پاکی نہیں ہے، دل میں طہارت نہیں ہے، دل میں کدورتیں ہیں، دل میں تکبر ہے، دل میں حسد ہے، دل میں کینہ ہے، دل میں خباثت ہے، رذالت ہے؛ تو یہ معرفت کا خزانہ ایسے دل کو کیسے دیا جائے؟ یہ تو بہت بھاری اور عظیم الشان نعمت ہے، معمولی قسم کی نعمت نہیں ہے، پرکھ پرکھ کر دی جاتی ہے۔ الغرض ابوسعید گنگوہی کو شیخ نظام الدین بلخی نے ان کا جائزہ لینے کے بعد فرمایا کہ تمھارے اندر تکبر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے؛ اس لیے کہ تکبر جس آدمی میں ہوگا، اس کی زبان سے بھی پتہ چلے گا، اُٹھنے بیٹھنے کے انداز سے بھی معلوم ہوگا، زبان استعمال کرے گا، تو اپنی بڑائی کے گیت گانا شروع کر دے گا کہ میں ایسا ہوں، میں ویسا ہوں، تو ان کو حضرت نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے کہ آپ کے اندر تکبر ہے اور جب تک تکبر کی بیماری ختم ہو نہیں جاتی، اس وقت تک اللہ کی معرفت کا ایک قطرہ و ذرہ بھی تمھارے قلب کے اندر جا نہیں سکتا؛ اس لیے سب سے پہلے

تمہارے تکبر کا علاج ہونا ضروری ہے، انھوں نے کہا کہ حضور! جیسے آپ کی مرضی ،آپ کا خادم ہوں، آپ مجھے جیسے چاہیں استعمال کریں ، انھوں نے کہا کہ کل سے تمھیں ایک کام دیتا ہوں ، وہ یہ کہ خانقاہ کے جو بیت الخلا ہیں (جن میں مریدین آتے رہتے ہیں، جاتے رہتے ہیں) ان بیت الخلاؤں کی صفائی کا نظام آپ کے ذمے ہے، کام کرنے والی عورت ہے، وہ آئے گی ، پاخانہ جمع کر کے رکھو، وہ اٹھا کے ٹوکرے میں ڈال کر لے جائے گی؛ لیکن آپ کا کام کیا ہوگا؟ صفائی کر کے ایک جگہ جمع کر کے رکھنا اور پھر کام والی آئے گی اور اٹھا کے لے جائے گی۔ بھائیو! غور کیجیے کہ اتنا سخت ترین کام کس کے سپرد کیا جارہا ہے؟ ایک بہت بڑے گھرانے والے کو، اپنے شیخ کے نواسے کو، کہ بیت الخلا صاف کرو۔ چناں چہ وہ روزانہ بیت الخلا کو صاف کرنے میں لگ گئے، اس طرح بیت الخلا کی خدمت کرتے کرتے ایک سال گذر گیا، ایک سال بعد شیخ نے بھنگن سے کہا، جو روزانہ وہاں سے ٹوکرے بھر بھر کے نجاست لے جاتی تھی کہ دیکھ جب تو بیت الخلا کی گندگی اٹھا کر ٹوکرے میں لے جائے، تو یہاں جو ابوسعید نامی آدمی ہے، اس کے قریب سے گذر جانا، اگر وہ کچھ برا بھلا کہے، تو مجھے سنانا، ان سے مت الجھنا۔ چناں چہ بھنگن نے ایسا ہی کیا، کہ نجاست کا ٹوکرا لے کر چلی اور حضرت شاہ ابوسعید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ کھڑے تھے، ان کے پاس سے گذری، جس سے کہ بدبو ان کو بھی محسوس ہوئی، تو ابوسعید کو بڑا غصہ آیا اور غصے ہی میں کہنے لگے کہ ''گنگوہ ہوتا؛ تو تجھے دیکھ لیتا'' یعنی اپنے گاؤں میں ہوتا، تو بتاتا، اب تو پردیس میں ہوں، کیا کرسکتا ہوں مجبور ہوں؛ اس

لیے کچھ نہیں کہتا۔ خیر وہ بھنگن چلی گئی اور کسی وقت آ کر شیخ کو بتایا کہ انھوں نے ایسا ایسا کہا ہے۔ شیخ نے سن کر کہا کہ ''افوہ! تکبر تو اب بھی باقی ہے!!''؛ اسی لیے یہ جملے ان کے منہ سے نکلے ہیں، پھر ابوسعید کو بلا کر کہا کہ تمھارا تکبر ابھی نہیں ٹوٹا ہے؛ لہٰذا ایک سال مزید یہی کام کرو۔ اب ایک سال مزید یہی خدمت: بیت الخلا کی صفائی کی ان کو دے دی، پھر ایک سال کے ختم پر بھنگن کو بلا کر کہا کہ گذشتہ سال ہی کی طرح اب بھی ایک ٹوکرا بھر نجاست لے کر جانا اور ابوسعید کے پاس سے گذر جانا، اگر کچھ کہیں، تو ان سے بحث مت کرنا، مجھے آ کر سنانا، بھنگن نے پھر ایسا ہی کیا، تو اس سال ابوسعید نے بھنگن سے کچھ کہا تو نہیں؛ مگر اس بھنگن کو گھور گھور کر دیکھا، تیز نظروں سے دیکھا۔ بھنگن نے آ کر شیخ کو بتا دیا کہ میں نے آپ کے حکم پر ایسا کیا، تو ابوسعید نے کہا تو کچھ نہیں؛ لیکن مجھے گھور گھور کر دیکھا۔ حضرت شیخ نے کہا کہ ابھی بھی تھوڑی سی کسر باقی ہے، یہ فخر و غرور پوری طرح نہیں نکلا ہے؛ لہٰذا پھر ابوسعید کو بلا کر کہا کہ ایک سال مزید یہی کام کرو۔ جب تیسرا سال ہوا، تو یہی قصہ ہوا کہ بھنگن سے شیخ نے کہا کہ ٹوکرا اُٹھا کے لے جانا اور دیکھنا کیا کہتے ہیں؟ اب کی بار، وہ بھنگن غلاظت کا ٹوکرا اُٹھا کر لے جا رہی تھی، ابوسعید کے پاس سے گذر رہی تھی؛ لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ وہ گندگی کا ٹوکرا اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا اور وہ ساری غلاظت ابوسعید کے اوپر ہی گر گئی۔ اب تو یہ بڑا کٹھن موقع تھا، بڑا سخت امتحان تھا ابوسعید کا؛ لیکن اب حضرت شاہ ابوسعید تین سال تک مجاہدہ کرتے کرتے اور یہ ڈیوٹی کرتے کرتے، کہیں سے کہیں پہنچ چکے تھے، ان کی بہت اصلاح ہو چکی تھی، اب ان کا حال یہ تھا کہ وہ بڑی عاجزی کے ساتھ بھنگن سے کہنے لگے کہ ''افوہ! میرے یہاں بیٹھنے کی وجہ سے شاید تجھے تکلیف ہوگئی اور میری ہی وجہ سے شاید یہ

ہاتھ سے چھوٹ کر یہ ٹوکرا گر گیا؛ اس لیے معاف کرنا، معاف کرنا، میری وجہ سے تکلیف ہوگئی۔'' یہ کہہ کر وہ گندگی اب اُٹھا اُٹھا کر اپنے ہاتھ سے ٹوکرے میں ڈالنے لگے۔ دیکھ رہے ہو!! تین سال کے مجاہدے کے بعد تکبر ٹوٹا اور ان کے اندر یہ صورتِ حال پیدا ہوئی۔ جب شیخ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ ''الحمدللہ! بیماری زائل ہوگئی'' یعنی تکبر کی جو بیماری تھی، وہ ختم ہوگئی ہے، (دیکھو: تذکرۃ الرشید: ۲/ ۲۵۵-۲۵۶)

بھائیو! اس طرح اُس زمانے میں اصلاح ہوا کرتی تھی اور اس طرح سے اصلاح لی جاتی تھی اور اصلاح کے لیے ایسی محنت مشقت برداشت کی جاتی تھی۔ اب تو لوگوں نے مجاہدہ ہی چھوڑ دیا ہے اور ایک تو بہت زیادہ ضعف وکم زوری آگئی ہے، پہلے زمانے میں ڈاکٹر واطباء، جو دوائیاں دیتے تھے، ظاہر بات ہے کہ وہ دوائی آج نہیں کھائی جاسکتی ہے، آج وہ کھائیں گے، تو جلاب شروع ہوجائیں گے، مزاج بدل گئے، طور وطریق بدل گئے، ہوا بدل گئی، سب بدل گیا؛ اس لیے پرانے زمانے کی دوا کام نہیں آتی۔ اسی طرح اصلاح کے یہ نسخے بھی اِس زمانے میں ذرا مشکل ہیں، اگر کسی کو آج تکبر نکالنے والا یہ شیخ بلخی رحمۃ اللہ علیہ کا نسخہ دے دیں، تو وہ مرید قیامت تک شیخ کا چہرہ ہی نہیں دیکھے گا، وہ ایسا جائے گا، ایسا جائے گا کہ پھر کبھی دوبارہ نہیں آئے گا۔ الغرض کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اصلاح کا کام اس طرح ہوتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ شیوخ اپنے زمانے کے حساب سے، اپنے اعتبار سے، مزاج کو دیکھ کر جو مناسب ہوتا ہے، وہ علاج تجویز کرتے ہیں؛ لیکن اس واقعے سے مجھے یہ بتانا ہے کہ جب تک آدمی اپنے آپ کو اس طرح اصلاح کی لائن میں نہیں لگاتا؛ اس وقت تک اصلاح نہیں ہوتی۔

شیطان نے سجدے سے کیوں انکار کیا؟

اس کی سب سے بڑی مثال تو قرآن نے ہم کو دے دی اور وہ ہے شیطان کا قصہ کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرے؛ مگر شیطان نے تکبر کی وجہ سے سجدہ کرنے سے انکار کردیا۔ آدمی کے اندر جب عشق ہوتا ہے تو تکبر ٹوٹ جاتا ہے، وہ عاجز ہوجاتا ہے اور وہ قبول کرنے کے لیے ہر وقت آمادہ رہتا ہے۔ شیطان کے اندر اللہ کا عشق ہی موجود نہیں تھا، علم موجود تھا اور عبادت بھی بہت تھی ، ریاضات اور مجاہدات تو اس نے بہت کیے تھے اور عرفان و معرفتِ حق بھی

اسکو حاصل تھی؛ لیکن اس کے باوجود تکبر کرتے ہوئے اس نے اللہ کے اس حکم کو ٹھکرادیا۔ قرآن اس کے بارے میں کہتا ہے {اَبٰی وَاسۡتَکۡبَرَ} (انکار کیا اور تکبر جتایا) دیکھئے! صاف اللہ نے فرمایا کہ اس نے تکبر کیا اور آدم علیہ السلام کے سامنے اس نے بڑائی جتائی۔ معلوم ہوا کہ یہ تکبر وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان حق سے دور ہوجاتا ہے اور حق کو قبول کرنے سے انکار کردیتا ہے۔

ابوجہل جیسے سردار کو تکبر نے تباہ کیا

آپ کو معلوم ہوگا، سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ **اخنس بن شُرَیق** رضی اللہ عنہ نے ابوجہل سے کہا کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا سمجھتے ہو؟ کیا یہ سمجھتے ہو کہ وہ جھوٹے ہیں یا یہ سمجھتے ہو کہ وہ غلط ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں نہیں، میں سمجھتا ہوں کہ وہ اللہ کے نبی ہیں؛ لیکن بات یہ ہے کہ ہم اور بنو عبدِ مناف کے خاندانوں میں پہلے سے شرف و وجاہت کے سلسلے میں مقابلہ و جھگڑا چلا آرہا تھا، جب وہ کسی سلسلے میں آگے بڑھتے ،تو ہمارا قبیلہ بھی آگے بڑھتا، انھوں نے لوگوں کو کھانا کھلایا، تو ہم نے

بھی کھلایا، اور انھوں نے لوگوں کو سواریاں دیں، تو ہم نے بھی دی، انھوں نے لوگوں کو مال دیا، تو ہم نے بھی نوازا، یہ مسابقت ان میں اور ہم میں چلتی رہی اور ہم اور وہ برابر رہے؛ لیکن اچانک ایسا ہوا کہ بنوعبدِ مناف نے کہہ دیا کہ ہم میں اللہ کا نبی ہے، جس پر آسمان سے وحی آتی ہے، تو اب ہم کہاں سے نبی لائیں؟ اس لیے بس اب اتنا ہی ہوسکتا ہے کہ ہم ان کو نبی ہی نہ مانیں؛ اس لیے میں نہیں مانتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور ابوجہل ایک گلی سے جا رہے تھے کہ ہماری ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل سے فرمایا کہ ابوالحکم! اللہ و رسول کی جانب آجاؤ، ابوجہل کہنے لگا کہ اے محمد! کیا تم ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے باز نہ آؤ گے، جو تم کہتے ہو اگر اس کو میں سچ سمجھتا تو ضرور مان لیتا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، تو ابوجہل مجھ سے کہنے لگا کہ میں جانتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں؛ مگر قصی کی اولاد میں سے ہیں، قصی کے خاندان والوں نے کہا کہ ہم کو غلافِ کعبہ چڑھانے کا شرف حاصل ہے، ہم مشورے کا نظم کیا کرتے ہیں، جھنڈے اٹھانے، حاجیوں کو پانی پلانے کی ذمہ داری ہماری ہے، ہم نے کہا کہ ہاں! یہ سب ہے۔ پھر انھوں نے کہا کہ ہم میں نبی بھی ہے؛ مگر خدا کی قسم ہم کبھی اس کو نہیں مانیں گے۔ (دلائل النبوۃ: ۲/۲۰۶، سیرت ابن اسحاق: ۴/۱۷۰، الخصائص الکبریٰ: ۱/۱۹۰، الروض الأنف: ۲/۸۱)

دیکھا آپ نے؟ حق کو سمجھ رہا ہے اور اقرار بھی کر رہا ہے کہ ہاں! میں اللہ کا پیغمبر ان کو سمجھتا ہوں؛ لیکن مانتا اس لیے نہیں ہے کہ اپنی ناک نیچی ہو جائے گی۔

حضرت ابو طالب اور حق کا انکار

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت ابو طالب نے بھی حق کا انکار اسی ''انا'' کی وجہ سے کیا تھا۔ حدیث میں قصہ آتا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے انتقال کے وقت ان کے قریب گئے، لوگ بیٹھے ہوئے تھے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کان میں ان سے کہا کہ چچا جان! میں آپ سے یہ کہنے کے لیے آیا ہوں کہ آپ کا یہ آخری وقت ہے اور اگر اس وقت بھی آپ کلمۂ طیبہ ''لا الٰہ إلا اللہ محمد رسول اللہ'' کا اقرار کر لیں اور اس کی شہادت دے دیں اور میرے کان میں بھی کلمہ پڑھ لیں تو انشاء اللہ آپ کی نجات ہو جائے گی۔ وہ تھوڑی دیر سوچنے لگے، پھر اس کے بعد کہا کہ بھتیجے! میں جانتا ہوں کہ تم سچے ہو؛ لیکن میں اگر تمہارے اوپر ایمان لایا، تو قریش کی بوڑھی عورتیں کہیں گی کہ اتنا بڑا آدمی ہو کر اپنے بھتیجے پر ایمان لے آیا؟ (وہ تو قریش کے سرداروں میں سے تھے) یہ طعنہ میں نہیں سن سکتا؛ اس لیے میں قبول نہیں کرتا۔ دیکھیے! ابو طالب کو بھی اسی بات نے روک لیا تھا اور حق کو قبول کرنے کے لیے وہ آمادہ نہیں ہوئے۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں، جن سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حق کو نہ ماننے کی بہت بڑی وجہ یہی بڑائی، تکبر اور غرور ہے، جس کی وجہ سے دنیا میں بہت سے لوگ گمراہ ہوئے؛ اس لیے بڑی فکر کی ضرورت ہے، اپنے اندر اگر ایسی بیماری ہو، تو کھرچ کھرچ کر اس کو نکالنے کی ضرورت ہے، اگر ہم نے غور نہیں کیا، بیماری ختم کرنے کا عزم نہیں کیا، تو ہمارا شمار بھی انہیں متکبرین میں ہوگا۔

ہم میں یہودیوں کی صفت

دوسرا طبقہ ہم میں وہ ہے جو پڑھتا ہے، لکھتا ہے اور جانتا ہے، سمجھتا ہے؛ لیکن اس کے باوجود اس کے یہاں دین کو غلبہ نہیں ہے، حق کو غلبہ نہیں ہے۔ جی ہاں! مدارس بھی ہیں،

ہمارے پاس تحریکیں ہیں، ہمارے پاس انجمنیں ہیں، ہمارے پاس جماعتیں ہیں ، ہمارے پاس مختلف ادارے ہیں؛ لیکن سب کو آپ دیکھتے جائیے، سب کچھ موجو دہوگا؛ لیکن ان کے پاس دین کو غلبہ نہیں ہوگا۔ میرے الفاظ کو نوٹ کریں، کہیں کوئی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو، میں کہہ رہا ہوں دین ہے؛ لیکن دین کو غلبہ نہیں ہے، دین کو غلبہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میرا ادارہ چلے کے نہ چلے، بہر حال دین کو غلبہ رہے، حق کو غلبہ رہے؛ لیکن اب ایسا نہیں ہے؛ بل کہ ایسا ہے کہ دین چاہے رہے کہ نہ رہے؛ لیکن میرا ادارہ باقی رہے، میری انجمن باقی رہے، میرا مدرسہ باقی رہے۔ (میری جماعت میں جو ہوگا، وہ حق ہوگا، میری تنظیم کا دائرہ حق کی پہچان ہوگا، میرے ادارے میں جو بھی ہوگا، وہ صحیح ہی ہوگا۔) ایسا سوچنے والے ہزاروں نہیں لاکھوں ملیں گے کہ دین چاہے کچھ بھی ہوجائے؛ لیکن میری انجمن قائم رہے۔ یہ تو وہی بیماری ہے، جو بیماری یہود ونصاریٰ میں تھی، یہ یہود ونصاریٰ کی بیماری ہم میں پل رہی ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو برس پہلے یہ پیشن گوئی فرمائی تھی: ''لَتَسلُکُنَّ سُنَنَ مَنۡ قَبۡلَکُمۡ حَذۡوَ النَّعۡلِ بِالنَّعۡل'' (ضرور بالضرور تم ان لوگوں کے نقشِ قدم پر چلو گے، جو تم سے پہلے گذر گئے، جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے۔ (مجمع الزوائد: ۱۲۱۰۰)

اس حدیث میں جو ''من'' آیا ہے، یہ عام ہے سب کے لیے یعنی بنی اسرائیل کے نقشِ قدم پر، یہود ونصاریٰ کے نقشِ قدم پر، مشرکین کے نقشِ قدم پر چلو گے، ہاں! بعض احادیث میں بنی اسرائیل کا بھی ذکر ہے اور بعض احادیث کے اندر یہود

ونصاریٰ کے الفاظ آئے ہیں، یہود ونصاریٰ تو بنی اسرائیل ہی ہیں مطلب یہ ہے کہ تم لوگ پہلے لوگوں کے نقشِ قدم پر بالکل اسی طرح چلو گے، جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے، ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہی ہوتا ہے نا؟ سائز میں بھی، انداز میں بھی، نقش ونگار میں بھی، ڈیزائن میں بھی، بالکل اسی طریقے پر تم بھی انہیں کے نقشِ قدم پر چلو گے یعنی جیسے انہوں نے کیا ویسے تم بھی کرو گے۔ ایک دوسری حدیث میں یہاں تک فرمایا گیا ہے: اگر ان لوگوں میں کوئی ایسا شخص گذرا ہے، جس نے اپنی ماں سے منھ کالا کیا ہے، تو تم میں بھی ایسا آدمی پیدا ہو جائے گا۔ (ترمذي:٢٦٤١)

معلوم ہوا کہ یہ صورتِ حال جو میں نے عرض کی کہ کچھ لوگ دین کو سمجھتے نہیں، حق کو سمجھتے نہیں؛ جب کہ کچھ لوگ حق کو سمجھتے ہیں؛ لیکن حق کو غلبہ نہیں دیتے، اپنے مفادات دیکھتے ہیں، اپنے مختلف انفرادی یا اجتماعی یا معاشرتی کسی نہ کسی قسم کے فوائد اور منافع مدنظر ہوتے ہیں۔ یہی وہ بیماری ہے، جو بنی اسرائیل میں موجود تھی، وہ لوگ بھی مفاد پرستی کی خاطر حق کو قبول نہیں کرتے تھے، افسوس! کہ ہم میں بھی وہی مفاد پرستی آ گئی ہے، آج ہم میں بھی وہ لوگ ہیں، جو ان کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ ہمارے اندر یہ بیماری نہیں ہونا چاہیے، حق سامنے آئے قبول کیجیے، دین سامنے آئے، دین کو غلبہ دیجیے، میری دُکان برباد ہو جائے؛ لیکن دین قائم رہے، میرا گھر برباد ہو جائے؛ لیکن دین زیر نہ ہو، میرے ادارے تباہ ہو جائیں؛ لیکن دین کو بلندی مل جائے، میری ذات ومفاد پر زَد پڑ جائے؛ لیکن دین غالب رہے۔ یہ ہمارا نظریہ اور ہماری فکر ہونی چاہیے اور یہی فکر پیدا کی تھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان۔

تکبر انسان کو بھکاری بنا دیتا ہے

آپ نے سنا ہوگا کہ عبدالملک بن مروان مالدار بادشاہ تھا اس کے غلام اور باندی کے

ناڑے چاندی اور سونے کے تاروں سے بنے ہوئے ہوتے تھے۔اور کوئی جوتا ایسا نہیں ہوتا تھا جس میں سونا اور جواہرات نہ ٹکے ہوں۔انتقال سے پہلے اپنی اولاد کو جمع کیا، اور کہا میں نے بڑے دبدبے سے حکومت کی اور بڑا مال جمع کیا ہے کہ تم لوگ سات پشتوں تک بھی خرچ کرو گے تو ختم نہیں ہوگا اتنا مال تم لوگوں کے لئے چھوڑ کر جا رہا ہوں، لیکن تاریخ گواہ ہے۔تکبر انسان کے لئے زیب نہیں دیتا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تکبر میری چادر ہے جو تکبر کی چادر اوڑھتا ہے ہم اس کو تار تار کر دیتے ہیں ذلیل و خوار اور رسوا کر دیتے ہیں، بندے کو بندہ بن کر رہنا ہے، تاریخ میں ہے کہ عبدالملک بن مروان کے پوتے قاھرہ کی جامع مسجد کے دروازے پر کھڑے اپنا دامن پھیلا کر کہہ رہے تھے اے لوگو یہ مسجد ہمارے دادا عبدالملک بن مروان نے بنوائی تھی۔جو اس ملک کا بادشاہ تھا۔آج ہم کنگال ہو گئے ہیں ہماری مدد کرتے جاؤ، دولت ہواؤں میں اُڑ گئی۔دولت پر جو بھروسہ کرتا ہے اور مقصود زندگی سمجھتا ہے اس کو جاننا چاہئے کہ مال ہمیشہ رہنے والی چیز نہیں ہے۔

تکبر خاک میں ملا دیتا ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کا اپنا وجود محض اللہ کے فضل سے ہے اور اللہ کا فضل نہیں تو کچھ نہیں، اسی لئے فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبر آدمی کو خاک میں ملا دیتا ہے، کبر اور بڑائی زمین بوس کر دیتی ہے، دنیا میں ذلیل وخوار کر دیتی ہے، تکبر کرنا عبث ہے اور یہ سمجھنا کہ یہ میری صلاحیت سے ہو رہا ہے، یہ بھی عبث ہے، بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ محض

اللہ کی طرف سے ہے، اللہ کی عنایات سے ہے، اللہ کے فضل سے ہے، ہر انسان کو اپنا محاسبہ کرنا چاہئے جو باتیں اچھی ہوں اللہ کی طرف سے جانیں جو خراب ہوں ان کو شیطان کی طرف سے جانیں کہ شیطان نے مجھ سے یہ کرادیا میں توبہ کرتا ہوں اور جو کام اچھے ہو جائیں تو یہ سمجھیں کہ اللہ نے توفیق دی ہے، اس پر شکر ادا کریں۔

ٹخنے سے نیچے کسی لباس کا ہونا یا کرنا جہنمی متکبر کا طریقہ ہے

فرمایا: تکبّر بُری بلا ہے، یہی ابلیس کے ملعون ہونے کا سبب بنا ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہے: {اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا} (کہ بیشک اللہ دوست نہیں رکھتا اس شخص کو جو اپنے کو بڑا سمجھے اور شیخی کی باتیں کرے) اس آیت میں ان لوگوں کی مذمت فرمائی جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں اور دوسروں کو حقیر جانتے ہیں فخر، کبر اور نخوت کے نشے میں بھرے رہتے ہیں، لفظ مختال، خیلاء سے ماخوذ اور باب افتعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ یہ لفظ اپنے کو بڑا سمجھنے، اِترانے۔ آپے میں پھولے نہ سمانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اپنے کو بڑا سمجھنا یہ دِل کا بہت بڑا رُوگ ہے اور اکثر گناہ اسی وجہ سے ہوتے ہیں۔شہرت کا طالب ہونا، اعمال میں ریا کاری کرنا، بیاہ شادی میں دُنیا داری کی رسمیں برتنا اور یہ خیال کرنا کہ ایسا نہ کیا تو لوگ کیا کہیں گے، یہ سب تکبّر ہے۔فرمایا: ناحق پر اصرار کرنا حق کو ٹھکرانا، غلط بات کہہ کر غلطی واضح ہو جانے پر حق قبول نہ کرنا۔شریعت پر چلنے میں خفّت محسوس کرنا۔ گناہوں کو اس لئے نہ چھوڑنا کہ معاشرہ والے کیا کہیں گے۔یہ سب تکبر سے پیدا ہونے والی چیزیں ہیں۔ایک صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ! ایک آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو، جوتا اچھا ہو کیا یہ تکبر ہے؟ فرمایا: اللہ جلّ شانہٗ جمیل ہے جمال کو پسند فرماتا ہے، تکبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکرائے اور لوگوں کو حقیر جانے۔ (رواہ مسلم ص ۶۵ ج ۱)۔

مختال کی مذمت کے ساتھ فخور کی مذمت بھی فرمائی ہے۔لفظ فخور فخر سے ماخوذ ہے شیخی بگھارنا اپنی جھوٹی سچی تعریفیں کرنا،لفظ فخر اس سب کو شامل ہے،بہت سے لوگوں کو یہ مرض بھی ہوتا ہے کہ مال یا علم اور عہدہ کی وجہ سے نشہ میں چور رہتے ہیں ۔شیخی بگھارتے ہیں اور فخر کرتے ہیں۔ان کا ذہن اس طرف نہیں جاتا کہ ان کے پاس جو کچھ ہے اللہ تعالی نے دیا ہے۔اور یہ کہ وہ اللہ کے عاجز بندے ہیں۔جو کچھ نعمتیں اللہ تعالی نے ان کو عطا فرمائی ہیں اس انداز میں لوگوں کے سامنے ان کا مظاہرہ کرتے ہیں جیسے ان کے حاصل ہونے میں ان کا کمال شامل ہے اور جن کے پاس وہ چیزیں نہیں ان سے اپنے کو بلند اور برتر سمجھتے ہیں اور اپنے خالق و مالک کو بھول جاتے ہیں، اس نے جس کو دیا ہے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اور جس کو نہیں دیا اس میں اس کی حکمت ہے، بندہ کا مقام یہ ہے کہ اپنے کو عاجز سمجھے اور شکر گذار رہے اور اللہ کے دوسرے بندوں کو حقیر نہ سمجھے۔فرمایا: ٹخنوں سے نیچا کپڑا پہننا بھی بہت زیادہ رواج پذیر ہے، حدیث شریف میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص تکبر کرتے ہوئے اپنا کپڑا گھسیٹ کر چلا۔اللہ تعالی اس کی طرف نظر رحمت سے نہ دیکھے گا۔(رواہ البخاری ص ۸۶۱)۔

حضرت ابو سعید خدریؓ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا ہے کہ مومن کا تہمند آدھی پنڈلیوں تک ہونا چاہئے (اور) اس میں اس پر کوئی گناہ نہیں کہ آدھی پنڈلیوں اور ٹخنوں کے درمیان ہو۔اور جو اس کے نیچے ہو وہ دوزخ میں لے جانے والا ہے۔اور اللہ تعالی قیامت کے دن اُس کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھے گا جس نے اپنا تہمند اتراتے ہوئے گھسیٹا۔(رواہ ابوداؤد ص ۲۱۰ ج ۲)۔

کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کا گناہ صرف تہمند ہی میں نہیں ۔ بلکہ دوسرے کپڑوں میں بھی ہے۔ کرتا، عمامہ، پائجامہ کو اگر کوئی ٹخنوں سے نیچے لٹکالے تو یہ بھی اسی ممانعت میں شامل ہیں "قال النبی ﷺ الاسبال فی الازار والقمیص والعمامة من جرّ منها شیئاً خیلاء لم ینظر الله الیه یوم القیامة" (رواہ ابوداؤد ص ۲۱۰ ج ۲)۔

حضرت جابر بن سلیم ؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو نصیحتیں فرمائیں ان میں سے یہ بھی ہے "ایاك واسبال الازار فانها من المخیلة وان الله لا یحب المخیلة" (کہ تہمند کو لٹکانے سے پرہیز کرو کیونکہ یہ تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے اور بیشک اللہ تعالی تکبر کو پسند نہیں فرماتا) (رواہ ابوداؤد ص ۲۰۸ ج ۲)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "انها من المخیلة" فرما کر اُن لوگوں کی بات کی تردید فرمادی جو ٹخنوں سے نیچا کپڑا پہنتے ہیں اگر اُونچا کپڑا پہن لیں تو اس میں اپنی اہانت سمجھتے ہیں اور جو لوگ اُونچا کپڑا پہنتے ہیں ان کو حقیر جانتے ہیں یہی تو تکبر ہے یہ لوگ کسی بھی طرح آدھی پنڈلی تک تہمند باندھ کر بازار میں جا کر دکھادیں دیکھو نفس گوارا کرتا ہے یا نہیں؟ سابقہ اُمّتوں میں سے ایک شخص کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ تکبر سے اپنے تہمند کو گھسیٹتا ہوا جارہا تھا لہذا اُس کو زمین میں دھنسادیا گیا۔ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائیگا۔ (رواہ البخاری ص ۸۶۱ ج ۲)

فرمایا: کہیں لوگوں نے یہ حدیث سُن لی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لنگی نیچے ہوجاتی تھی اس کو لوگوں نے پاجائمہ تہمند اور دوسرے لباسوں کے ٹخنے سے نیچے پہننے کے جواز کی دلیل بنالی، یہ لوگ کہتے ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صریح

ارشاد (کہ جو کپڑا ٹخنے سے نیچا ہو وہ دوزخ میں جانے کا ذریعہ ہے۔

(رواہ البخاری عن ابی ہریرۃؓ مرفوعاً)

چھوڑ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پیروی لے لئے یہی ایک کام رہ گیا ہے؟ انہوں نے تو اللہ کی راہ میں سارا مال خرچ کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لاکر پیش کردیا تھا آپ تو اس کا ۱۔۴۰ بھی زکوۃ خرچ کرنے کو تیار نہیں، نیز حدیث شریف میں یوں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ متکبر کے طرف (نظر رحمت سے) نہ دیکھے گا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ ازاری یسترخی اِلاّ اَن اَتعاھدہ'' کہ میرا تہمند ڈھیلا ہوکر نیچے ہوجاتا ہے ہاں میں اگر اس کا خاص اہتمام کروں تو نہیں ہوتا تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اِنّك لَستَ ممن یفعله خُیَلاء'' کہ تم اُن میں سے نہیں ہو کہ جو اس کام کو ازراہِ تکبر کرتے ہیں (مشکوۃ المصابیح ص ۳۷۶)۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، تہمند اُونچا باندھتے تھے کبھی بے دھیانی میں سَرک جاتا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں تصریح فرمادی اور گواہی دیدی کہ تم ان میں سے نہیں ہو جو اس کام کو تکبر کی وجہ سے کرتے ہیں اَب وہ لوگ اپنے علم کی خود ہی داد دیں جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں قصداً کپڑا خریدتے وقت یہ سوچ کر خریدتے ہیں کہ ٹخنہ سے نیچا سِلوانا ہے پھر درزی کے پاس ٹخنے سے نیچا سِلوانے کے لئے ناپ دیتے ہیں پھر قصداً ٹخنے سے اونچا پہننے میں کسرِ شان سمجھتے ہیں ان کا یہ سارا عمل اور حضرت ابو بکر

رضی اللہ عنہ کے تہمند کا بے دھیانی میں لٹک جانا کیا ایک ہی بات ہے؟ ایسی بے تکی باتوں سے کیا گناہ کرنا حلال ہو جائے گا؟ انسان گناہ کو گناہ سمجھ کر کرے تو توبہ کی توفیق بھی ہو جاتی ہے لیکن اینچ پینچ کر کے اسے حلال ہی سمجھ لے تو گناہگار ہی مرتا ہے۔ فرمایا: ہمارے ایک دوست نے پتلون پہننا چھوڑ دیا پرانے پتلون رکھے ہوئے تھے وہ مجھ سے کہنے لگے کہ ان کا کیا کروں میں نے کہا کٹوا کر ٹخنوں سے اُونچی کر لو اور اس کے بعد پہنو اور پہنتے وقت آگے پیچھے کُرتے کا دامن بھی ڈھک لینا یہ سُن کر وہ ہنس پڑے ان کی ہنسی یہ ظاہر کر رہی تھی کہ جب ٹخنے سے نیچا نہ رہا اور کرتے کا دامن بھی ڈھک گیا تو وہ پتلون ہی کہاں رہا؟ پتلون کا مقصد ہی اِترانا اور دھڑ کو چمکانا اور اُبھرا ہوا دکھانا ہے۔ فرمایا: مسلمانوں کو کیا مصیبت ہے کہ لباس اور وضع قطع میں اسلام کا طریقہ چھوڑیں اور کافروں کی وضع قطع اور سج دھج اختیار کریں ہمارا دین علیحدہ ہے دشمنوں کا دین علیحدہ ہے دشمنانِ اسلام کا طریقہ ہم سے مختلف ہے ان کے یہاں تو دو چار تصوّرات و توھّمات کے علاوہ دین ہے ہی نہیں، ہمارا دین کامل ہے مکمّل ہے جامع ہے زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے لہٰذا ہمیں اپنے دشمن کی طرف نظریں اُٹھا کر دیکھنے اور ان کا جیسا بننے کی کیا ضرورت ہے؟ کیسی بے غیرتی ہے کہ وہ ہماری وضع قطع اور لباس اور معاشرت اختیار کرنے کو تیار نہیں اور ہمارے فیشن کے دلدادہ بھائی ان کے سانچے میں ڈھل رہے ہیں قرآن مجید میں فرمایا ہے {**وَلاَ تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ**} (اور ان لوگوں کی طرف مائل نہ ہو جاؤ جنھوں نے ظلم کیا ورنہ تمہیں دوزخ کی آگ پکڑ لے گی) (سورۃ ہود)۔ فرمایا:: تکبر بڑا بننے کا نام ہے اس کی سزا بھی ذلّت والی ہے ''حضرت عمرو بن شعیب رحمہ اللہ اپنے باپ دادا سے سے روایت کرتے ہیں

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تکبر والوں کا حشر قیامت کے دن چیونٹیوں کی طرح ہوگا (جسم چیونٹیوں کے برابر ہونگے اور) صورتیں انسانوں کی ہونگی ہر طرف سے اُن پر ذلّت چھائی ہوئی ہوگی ان کو دوزخ کے جیل خانہ کی طرف چلایا جائیگا جس کا نام بَولس ہے ان پر آگوں کو جلانے والی آگ چڑھی ہوگی ان کو دوزخیوں کے جسم کا نچوڑ پلایا جائیگا، (جس کا نام) طینۃ الخبال ہے" (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۲ از ترمذی)۔

تکبر کا فوری علاج

ارشاد فرمایا کہ ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ بہت لوگ میرے مرید ہورہے ہیں کہیں میرے دل میں بڑائی نہ آجائے۔ میں نے کہا: جب بہت زیادہ مرید ہوں یا لوگ آپ کی تعریف کریں تو فوراً کہو اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ کہ اے اللہ! تمام تعریفیں آپ کے لیے ہیں۔ شکر ہے آپ کا۔ ہم تو مٹی ہیں بس آپ کے کرم کے سورج کی شعاعیں پڑ گئیں جو یہ مٹی چمک رہی ہے۔ یہ آپ کا کمال ہے ہمارا کیا ہے۔ اگر مٹی چمکتی ہے سورج کی شعاعوں سے تو یہ مٹی کا کمال نہیں ہے یہ سورج کی شعاعوں کا کمال ہے۔ اگر مٹی کو ناز ہوجائے اور سورج اپنا رخ پھیر لے تب پتا چلے گا کہ مٹی میں کیا چمک ہے۔ لہٰذا تکبر کا بہترین علاج یہی ہے کہ جب کبھی کوئی تعریف کرے تو فوراً پڑھو اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ شکر سے قرب ہوتا ہے اور تکبر سے دوری ہوتی ہے یعنی شکر سببِ قرب ہے اور کبر سببِ بُعد ہے اور سببِ قرب اور سببِ بُعد کا جمع ہونا محال ہے لہٰذا اللہ کا شکر کرتے ہی تکبر بھاگ جائے گا جیسا کہ ایک مچھر نے حضرت سلیمان

علیہ السلام کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا کہ جب اپنا پیٹ بھرنے کے لیے میں خون چوستا ہوں تو ہوا مجھے اڑا کر لے جاتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں کا موجود ہونا ضروری ہے لہٰذا تم مدعی ہو میں ابھی مدعا علیہ کو بلاتا ہوں اور ہوا کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جب ہوا آئی تو یہ بھاگ گیا اور کہا کہ میں بھاگا نہیں ہوں بھگایا گیا ہوں کیوں کہ ہوا کے سامنے میں ٹھہر نہیں سکتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا سے فرمایا کہ تو چلی جا۔ جب مچھر آیا تو آپ نے ڈانٹ کر فرمایا کہ جب مدعا علیہ آیا تو تم کیوں بھاگ گئے۔ اس نے کہا: یہی تو رونا ہے کہ جب ہوا آتی ہے تو میرا وجود نہیں رہتا اور میرا پیٹ نہیں بھرتا۔ میں خون چوسنے میں لگا ہوتا ہوں کہ ہوا آتی ہے اور مجھے بھگا دیتی ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعے کو بیان کر کے فرمایا کہ جب اللہ اپنی تجلیاتِ خاصہ سے تمہارے دل میں متجلّی ہوگا تو تمہارے اندھیرے خود ہی نہیں رہیں گے ؎

می گریزد ضدہا از ضدہا
شب گریزد چوں برافروزد ضیا

جب آفتاب نکلتا ہے تو رات خود بھاگتی ہے اسے بھگانا نہیں پڑتا لہٰذا ظلمات کو بھگانے کی فکر نہ کرو آفتاب سے دوستی کرلو، اندھیرے خود بخود بھاگ جائیں گے۔ لہٰذا جب مخلوق تعریف کرے تو کہیے اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ اللہ تعالیٰ کے شکر سے اپنے اوپر سے نظر ہٹ جائے گی اور اللہ کی عطا پر ہو جائے گی جس سے اللہ کا قرب نصیب ہوگا اور قرب اور بُعد کا جمع ہونا محال ہے لہٰذا جب شکر پیدا ہوگیا تو تکبر خود بھاگ جائے گا۔

تکبر کی وجہ سے آدمی کا دل ناپاک ہوجاتا ہے

شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار جو دل کو تباہ کرنے کے لیے شیطان استعمال کرتا ہے، اس کا نام ہے تکبر۔ یعنی اپنے آپ کو کسی دینی یا دنیوی کمال میں بڑا سمجھنا اور دوسرں کو حقیر سمجھنا۔ اور تکبر عربی لفظ ہے، اور باب تفعل سے ہے اور اس باب کیا یک خاصیت ''تکلف'' ہے، مطلب یہ ہے کہ آدمی حقیقت میں تو بڑا نہیں ہوتا؛ مگر اپنے آپ کو بڑا بنا کر پیش کرتا ہے اور بڑا سمجھتا ہے۔ تکبر کی وجہ سے آدمی کا دل ناپاک ہوجاتا ہے، شیطان شیطان اسی لیے بنا کہ اس کے اندر تکبر تھا، ورنہ تو وہ بڑا عابد تھا، بڑا زاہد تھا، عالم تھا، لیکن تکبر نے اس کو خاک کردیا، یہاں تک کہ اس کو آسمانوں سے اُتار کر دنیا میں بھیج دیا؛ بلکہ پھینک دیا گیا۔ تکبر سب سے بڑی بیماری کیوں ہے؟ علما نے لکھا ہے کہ تکبر کی حقیقت دو چیزیں ہیں: ایک اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسرا دوسروں کو حقیر سمجھنا۔ ان دو چیزوں سے تکبر پیدا ہوتا ہے اور اگر ان دو میں سے صرف ایک چیز آپ کو بڑا سمجھنے کی بات پائی جائے ،تو اس کا نام عُجب ہے، وہ بھی ایک بُرا خُلق اور بڑی بیماری ہے اور دل کی بیماریوں میں سے ایک خطرناک بیماری ہے، اگر صرف دوسرے کو اپنے آپ حقیر سمجھتا ہے، اپنے کو بڑا نہیں سمجھتا، تو یہ دوسرے آدمی کی توہین وتذلیل ہے، یہ بھی اسلام میں ناجائز ہے۔ اور اگر دونوں باتیں ہوں کہ خود کو سب سے اچھا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے، تو اس کا نام تکبر ہے، معلوم ہوا تکبر کے دو جزو ہیں، دونوں جمع ہوں تو بھی خراب اور اگر الگ الگ پائے جائیں، تو بھی خراب، ظاہر ہے کہ جب ان دو میں سے ہر بیماری خطرہ ہے، تو دونوں کسی میں جمع ہو جائیں، تو کیا اس کا خطرہ اور بڑھ نہیں جائے گا؟ اسی لیے اس کو سب سے زیادہ خطرناک بیماری کہا گیا ہے اور اُم الامراض نام دیا گیا ہے۔

تکبر کرنے والے کو اللہ عذاب دیتے ہیں

بڑائی تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے، وہی اس کا مستحق ہے کہ وہ بڑائی جتائے اور تکبر کرے، کسی بندے کو کیا حق ہے کہ وہ تکبر کرے؟ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''**الکبریاء ردائی والعظمة إزاری، فمن نازعنی واحدا منهما قذفته فی النار**'' (کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے، پس جو شخص ان میں سے کسی میں بھی میرے سے جھگڑے گا، تو میں اس کو دوزخ کا عذاب چکھاؤں گا (ابوداود: ۴۰۹۰، واللفظ لہ، ابن ماجہ: ۴۱۷۴، مسند احمد: ۲/ ۴۱۴، صحیح ابن حبان: ۲/ ۳۵)

مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی کی شان ہے کہ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھے؛ اس لیے کہ ساری کائنات کا ہر ذرہ اس کا محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں اور ساری کائنات بے قدر و بے حقیقت ہے اور اللہ ہر چیز کا مالک اور ہر چیز پر قادر ہے، اس لیے تکبر اس کی صفت ہے اور جو اس کی صفت میں شریک ہونا چاہے، گویا وہ اللہ کی صفت میں اپنے کو شریک کرکے شرک کرنا چاہتا ہے، اس لیے اللہ اس کو عذاب دیتے ہیں، اس لیے کہ اس کے برابر کوئی نہیں نہ ذات میں نہ ہی صفات میں۔

تکبر سے عمل کا نور تباہ ہو جاتا ہے

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: صاحبو! ہمارے اندر یہ تکبر گھسا ہوا ہے، اسی واسطے ہم کمالِ دین سے محروم ہیں۔ اسی کا ایک اثر یہ ہے کہ ہم نے جہاں تھوڑا سا کام کرلیا، پانچ وقت کی نماز پڑھ لی اور اپنے آپ کو کچھ سے کچھ سمجھنے لگے۔ عورتوں میں بھی یہ مرض بہت ہے۔ اوّل تو ان میں دین دار بہت ہی کم ہیں اور جو دو چار دین دار ہیں بھی، وہ اپنے آپ کو نہ

معلوم کیا سمجھتی ہیں۔ جس کا منشا یہ ہے کہ عورتیں کم حوصلہ ہوتی ہیں اور ذرا سی بات میں تکبر اور بڑائی کرنا کم حوصلہ آدمی کا کام ہے۔ ایک عورت بڑی نمازن تھی۔ اتفاق سے اس کی شادی کسی ڈاڑھی منڈے بے نمازی سے ہوگئی تو وہ کیا کہتی ہے کہ اللہ رے تیری شان! ایسی پارسا ایسے بے دین سے بیاہی گئی۔ گویا نعوذ باللہ اسے خدا پر بھی اعتراض تھا کہ خدا تعالیٰ کے یہاں کچھ ضابطہ نہیں ہے، جوڑ بے جوڑ کچھ نہیں دیکھتے ۔أستغفر اللہ! ارے! تم کو کیا خبر ہے کہ خاتمہ کس کا اچھا ہو اور خدا تعالیٰ کس کو بخشے؟ کس کو جہنم میں بھیج دے۔ کیا تعجب ہے کہ خدا تعالیٰ اس بے نمازی کو کسی ادا پر بخش دے اور تم کو اس تکبر کی وجہ سے دوزخ میں ڈال دے۔ اول تو خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں، دوسرے جن اعمال پر تم کو ناز ہے کیا خبر وہ قبول بھی ہوتے ہیں یا نہیں؟ گو امید تو یہی رکھنی چاہیے کہ قبول ہوتے ہیں، مگر کوئی وحی بھی نہیں آگئی، اس لیے ڈرتے بھی رہنا چاہیے اور کبھی اپنے اعمال پر ناز نہ کرنا چاہیے، نہ دوسروں کو حقیر سمجھنا چاہیے، اس سے اندیشہ ہے حبطِ نورِ اعمال کا۔ اسی طرح بعض لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جہاں ذرا ان کے قلب میں حرارت پیدا ہوئی اور وہ سمجھنے لگے کہ میں صاحبِ نسبت ہوگیا۔ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب دہلویؒ (شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کے والد بزرگ) کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میرا دل جاری ہوگیا۔ شاہ صاحب ہنسنے لگے۔ فرمایا کہ لوگوں کو کبھی حرارتِ ذکر سے خفقان (اختلاجِ قلب) ہوجاتا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ ذکر جاری ہوگیا۔ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ قلب جاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دل کو حرکت ہو، کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دیتی ہو۔ یاد رکھو! یہ اختلاجِ

قلب ہے جو کہ سخت مرض ہے۔اس کا نام دل کا جاری ہونا نہیں ہے۔ مکہ معظّمہ سے جب ہم غارِ ثور پر گئے اور پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا تو سب لوگوں کے سانس پھول گئے۔ اس وقت بے تکلف دل کی حرکت صاف محسوس ہوتی تھی اور کھٹ کھٹ کی آواز آرہی تھی۔ میں نے ساتھیوں سے کہا کہ لو آج سب کے دل جاری ہوگئے، سب صاحبِ نسبت ہوگئے۔ اگر یہی نسبت ہے تو بس روزانہ ایک میل دوڑ لیا کرو، دل جاری ہوجایا کرے گا۔ یہ محض غلط خیال ہے۔ ذکر جاری ہونے کے لیے آواز کھٹکا کچھ ضروری نہیں۔ بلکہ ذکر جاری ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سالک کو اکثر اوقات حق تعالیٰ سے ذہول وغفلت نہ ہوتی ہو، زیادہ اوقات میں حق تعالیٰ کی طرف توجہ رہے، اسی کا نام ملکۂ یادداشت ہے، لیکن یہ بھی نسبتِ مطلوبہ نہیں ہے۔ بعض لوگ ملکۂ یادداشت کو ہی نسبت سمجھتے ہیں، یہ بھی غلطی ہے۔

تکبر معصیت ہے اور معصیت سے نسبت سلب ہوجاتی ہے

اور اس سے ایک بڑا دھوکہ سالکین کو پیش آتا ہے۔ وہ یہ کہ صوفیائے کرامؒ نے فرمایا ہے کہ معصیت سے نسبت سلب ہوجاتی ہے اور ملکۂ یادداشت معصیت سے زائل ہوتا نہیں، تو جو شخص اس کو نسبت سمجھتا ہے وہ ائمۂ فن کے خلاف یہ سمجھنے لگتا ہے کہ معاصی مجھ کو مضر نہیں۔ بعض تو معاصی کو حلال سمجھنے لگتے ہیں، وہ تو زندیق ہیں۔ بعض حلال تو نہیں سمجھتے، مگر یوں خیال کرتے ہیں کہ ہم کو نسبت حاصل ہوگئی ہے جس سے ہر وقت ہم ذکر میں رہتے ہیں اور ذکر حسنہ ہے اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:{اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ} (الھود:۱۱۴)

حسنات سیئات کو زائل کرتی رہتی ہیں۔ پس یہ نسبت ایسا حسنہ ہے جس سے تمام گناہ

دھلتے رہتے ہیں اور کوئی گناہ ہم کو مضر نہیں ہوتا۔ وہ نسبت سب گناہوں کا کفارہ ہوتی رہتی ہے۔ یہ بڑی گمراہی ہے جس کا منشا یہ ہے کہ ان لوگوں نے ملکۂ یادداشت کو جو کہ مشقِ ذکر سے پیدا ہوجاتا ہے نسبت مقصودہ سمجھ رکھا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ نسبت اس کا نام نہیں ہے۔ نسبتِ مقصودہ کے لیے گناہ اور معصیت سخت مضر بلکہ سمِ قاتل ہے۔

ایک طالب علم سے ان کے کسی مہمان نے پوچھا تھا کہ میاں! آج کل کیا شغل ہے؟ کہنے لگے کہ شہزادی سے نکاح کی فکر میں ہوں۔ اس نے پوچھا کہ پھر کچھ سامان کرلیا ہے؟ کہنے لگے کہ آدھا سامان تو ہوگیا، آدھا باقی ہے۔ اس نے کہا: یہ کیوں کر؟ کہا: میں تو راضی ہوں، مگر وہ راضی نہیں اور نکاح طرفین کی رضا سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک کا راضی ہونا آدھا نکاح ہے۔ تو جو لوگ ملکۂ یادداشت حاصل کرکے معاصی سے اجتناب نہیں کرتے اور اپنے کو صاحبِ نسبت سمجھتے ہیں اُن کی نسبت ایسی ہی ہے جیسے اس طالب علم کا آدھا نکاح، کہ یہ لوگ تو خدا سے یادداشت کا تعلق رکھتے ہیں، مگر خدا کو ان سے کوئی علاقہ نہیں۔ یاد رکھو! نسبت اس تعلق کو کہتے ہیں جو طرفین سے ہو، یعنی بندہ کو خدا سے تعلق ہو اور خدا کو بندہ سے تعلق ہو اور نصوص سے یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ عاصی سے خدا کو رضا کا تعلق نہیں ہوتا۔ لہٰذا معصیت کے ساتھ نسبتِ مطلوبہ کبھی جمع نہیں ہوسکتی۔ مگر افسوس ہے کہ لوگ اس غلطی میں بہت مبتلا ہیں کہ وہ ملکہ یادداشت ہی کو نسبت سمجھتے ہیں۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ میں یہ بیان کررہا تھا کہ عورتوں میں یہ مرض زیادہ ہے کہ جہاں ذرا نماز پڑھنے لگیں اپنے آپ کو رابعہ سمجھنے لگیں۔ اوچھے آدمی بہت جلدی اپنے معتقد ہوجاتے ہیں۔ مثل مشہور ہے: **الحائك إذا صلی یومین انتظر الوحی**۔ جلاہا دو دن نماز پڑھ کر تیسرے دن وحی کا منتظر ہوجاتا ہے۔

اپنے نیک کاموں پر ناز نہیں کرنا چاہیے:

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: بہت لوگ اپنے کمالات کے معتقد ہیں، مگر ان کو یہ خبر نہیں کہ ہم دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کو امام غزالیؒ کی احیاء میں کتاب الغرور دیکھنی چاہیے۔ (غرور بمعنی تکبر نہیں یہ اردو کا محاورہ ہے۔ عربی میں غرور کے معنی دھوکہ کے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: {وَغَرَّكُم بِاللهِ الْغَرُورُ} (الحدید:۱۴)

ان کو اللہ نے دھوکہ میں ڈال دیا۔ یہاں دھوکہ ڈالنا ہی مراد ہے) یہ وہ کتاب ہے جس نے امام غزالیؒ پر کفر کے فتوے لگوائے۔ کیوں کہ اس میں انہوں نے ہر فرقہ کی غلطیاں ظاہر کی ہیں اور ان کے دھوکوں پر متنبہ کیا ہے، جن میں وہ مبتلا ہیں۔ تو چوں کہ اس سے دنیا بھر کے اُترے پتّرے کھلتے تھے اس لیے سب لوگ ان کے دَرپے ہوگئے۔ پھر کافر بنانے کو موقع مل ہی جاتا ہے۔ چشم بد اندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش درنظر بدخواہ کی آنکھ پھوٹ جائے کہ اس کی نظر میں ہنر بھی عیب دکھائی دیتے ہیں۔ جب آدمی کسی کے دَرپے ہوجاتا ہے تو اس کو کمالات بھی عیوب نظر آتے ہیں۔

جو لوگ اپنے کمالات کے معتقد ہیں اس کو وہ دیکھیں پھر غور کریں کہ وہ کس دھوکہ میں مبتلا تھے۔ بعض لوگ اپنے اعمال پر ناز کرتے ہیں اور خوش ہیں کہ ہم خدا کی عبادت کرتے ہیں مگر ہماری طاعات کی ایسی مثال ہے جیسے بعض دفعہ نوکر آقا کو پنکھا جھلتا ہے، کبھی اتنے زور سے کہ ٹوپی بھی اس کے سر سے اُڑ جاتی ہے، کبھی اتنے آہستہ کہ اس کو ہوا بھی نہ لگے۔ آقا کو ایسا پنکھا جھلنے سے تکلیف ہوتی ہے، مگر وہ خوش اخلاقی کی وجہ سے کچھ نہیں بولتا۔ تو اگر وہ نوکر ایسی خدمت کر کے ناز کرے کہ میں نے آج دو گھنٹہ آقا کی خدمت کی تو اس کا یہ

ناز بجا ہے یا بے جا؟ یقیناً ہر شخص اس کو احمق بتائے گا کہ تو ناز کس بات پر کرتا ہے، جتنی دیر تو نے خدمت کی ہے آقا کو تکلیف پہنچائی ہے، تو اسی کو غنیمت سمجھ کہ اُس نے تجھ کو سزا نہیں دی، نہ کہ تُو اُلٹا ناز کرتا اور اپنے کو انعام کا مستحق سمجھتا ہے۔ صاحبو! یہ ہی حالت ہماری طاعات کی ہے کہ حق تعالیٰ ان طاعات پر ہم سے مواخذہ ہی نہ فرمائیں تو بسا غنیمت ہے، یہ اُلٹا ناز کیسا؟ آخر کیا ہم کو اپنی طاعات کی حقیقت معلوم نہیں کہ ہم اُن کو کس طرح بے سروپا ادا کرتے ہیں۔ مولانا نے مثنوی میں ایک بہرہ کی حکایت لکھی ہے کہ وہ اپنے ایک دوست کی عیادت کرنے گیا تھا۔ راستہ میں سوچنے لگا کہ میں تو بہرہ ہوں مجھے دوسرے کی خصوص ضعیف مریض کی بات سنائی نہ دے گی، اس لیے ابھی سے حساب لگا لینا چاہیے کہ میں جا کر پہلے کیا کہوں گا وہ اُس کا کیا جواب دے گا، پھر مجھ کو اس کے جواب میں کیا کہنا چاہیے۔ چناں چہ اس نے حساب لگایا کہ پہلے اس سے پوچھوں گا کہ مزاج کیسا ہے؟ وہ کہے گا: شکر ہے، پہلے سے افاقہ ہے۔ میں کہوں گا: الحمدللہ! حق تعالیٰ اور زیادہ کرے۔ پھر میں کہوں گا کہ معالجہ کون سے طبیب کا ہے؟ وہ کہے گا: فلاں حکیم صاحب کا۔ میں کہوں گا: سبحان اللہ! بہت ہی لائق طبیب ہیں بڑی شفقت فرماتے ہیں، اُن کا علاج ترک نہ کرنا چاہئے۔ پھر پوچھوں گا: کون سی دوا استعمال میں ہے؟ وہ کسی دوا کا نام لے گا، میں کہوں گا: خدا اس کو آپ کی رگ و پے میں پیوستہ کرے اور خوش گوار فرمائے۔ یہ حساب لگا کر وہ پہنچے۔ بیمار نے جو بہرہ کی صورت دیکھی، گھبرا گیا کہ یہ کم بخت کہاں سے آ گیا؟ اب یہ میرا دماغ کھائے گا، اپنی سب کچھ کہہ لے گا میری بات سنے گا نہیں۔ اب بہرہ میاں آگے آئے اور

مزاج پوچھا کہ اب طبیعت کیسی ہے؟ بیمار نے جِھلّا کر کہا: حال کیا ہوتا، مر رہا ہوں۔ آپ نے کہا: الحمدللہ! خدا اور زیادہ کرے۔ بیمار اور جِھلّا گیا۔ پھر پوچھا: کون سے حکیم صاحب کا علاج ہے؟ اس نے کہا: ملک الموتؑ کا۔ آپ نے کہا: سبحان اللہ! بڑے ہی لائق طبیب ہیں، ان کا علاج کبھی نہ چھوڑئے، ماشاء اللہ! بڑے ہی شفیق ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا قدم مبارک فرماوے۔ پھر پوچھا کہ آج کل کون سی دوا استعمال میں ہے؟ اس نے کہا: زہر پی رہا ہوں۔ آپ بولے: ماشاء اللہ انگبین ہے، خدا اس کو آپ کی رَگ رَگ میں پیوستہ کرے اور خوشگوار بنائے۔ تو اب آپ غور کیجیے کہ ایسی عیادت سے کیا کسی کا جی خوش ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں، مگر وہ بہرہ اپنے دل میں خوش تھا کہ میں نے اپنے دوست کا حق ادا کر دیا، اس کی عیادت کر لی اور اس کا جی خوش کر دیا۔ ڈَلے پتھر، جی خوش کر دیا! وہ تو اس کی جان کو کوستا ہوگا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسی ہی عبادت کرتے ہیں جیسی اس شخص نے عیادت کی تھی اور ان کا اپنی عبادت پر خوش ہونا ایسا ہی ہے جیسا وہ بہرہ اپنی عیادت پر خوش تھا۔ صاحبو! یہ حال ہے ہماری ان عبادات کا جن پر ہم ناز کرتے ہیں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو کچھ عبادت ٹوٹی پھوٹی ہم کر رہے ہیں اس کو بھی چھوڑ دیا جائے۔ بعضے ایسے احمق ہیں کہ جو یہی مطلب سمجھے ہوں گے کہ جب ہماری عبادت کسی کام کی نہیں تو پھر کیوں سر مارا؟

نازاور خود پسندی اور تکبر میں فرق:

خود پسندی بھی تکبر کی ایک شاخ ہے فرق صرف اتنا ہے کہ تکبر میں دوسرے لوگوں سے اپنے نفس کو بڑا سمجھا جاتا ہے اور خود پسندی میں دوسرے لوگوں کی ضرورت نہیں بلکہ اپنے نفس کو اپنے خیال میں کامل سمجھ لینا اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اپنا حق خیال کرنا یعنی

ان کو اللہ کا فضل و کرم نہ سمجھنا اور ان کے زوال سے بے خوف ہو جانا خود پسندی اور عجب کہلاتا ہے۔

ناز کی علامت:

اگر یہاں تک نوبت پہنچ جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے آپ کو ذی مرتبہ اور باوقعت سمجھنے لگے تو یہ ناز کہلاتا ہے اور اِس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اپنی دعا کے قبول نہ ہونے سے تعجب اور اپنے موذی دشمن کو سزا و عذاب نہ ملنے سے حیرت ہوتی ہے کہ ہم جیسوں کی دعا قبول نہ ہو اور ہمارے دشمن پامال نہ ہوں۔تنبیہ: یاد رکھو کہ اپنی عبادت پر نازاں ہونا اور اپنے آپ کو مقبولِ خدا اور کسی قابل سمجھنا بڑی حماقت ہے البتہ اگر اللہ کی نعمت پر خوش ہو اور اُس کے چھن جانے کا بھی خوف دل میں رکھو اور اتنا ہی سمجھو کہ یہ نعمت حق تعالیٰ نے فلاں علم کے سبب مجھ کر مرحمت فرمادی ہے اور وہ مالک و مختار ہے جس وقت چاہے اِس کو مجھ سے لے لے تو خود پسندی نہیں ہے کیونکہ خود پسند شخص نعمت کا منعمِ حقیقی کی جانب منسوب کرنا بھول جاتا ہے اور جملہ نعمتوں کو اپنا حق سمجھنے لگتا ہے۔

متکبر کو اللہ کے غضب اور غصہ کا سامنا کرنا پڑے گا

اسلام ایسا کامل اور مکمل مذہب ہے جس نے زندگی کے ہر میدان میں انسانوں کی مکمل رہنمائی کی ہے۔ اسلام کی تعلیمات کا ایک اہم باب اخلاقیات ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اچھے اخلاق و اوصاف کے حامل ہوں اور برے اخلاق و کردار سے دور رہیں۔ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اخلاق کے بلند مرتبہ پر فائز قرار دیا۔ (القلم۔6)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہر لحاظ سے" اسوۂ حسنہ اور قابل تقلید نمونہ قرار دیا۔(الاحزاب۔21)
ان کا منصب اور ایک ذمہ داری یہ قرار دی کہ وہ انسانوں کے نفوس کا تزکیہ کرتے
ہیں (البقرہ 151،آل عمران 164،الجمعہ 2)

اخلاقی برائیوں میں سے کوئی برائی ایسی نہیں جسکی کتاب وسنت میں مذمت نہ کی گئی ہو اور اچھا وصف ایسا نہیں جسے اختیار کرنے پر ابھارا نہ گیا ہو۔ برے اخلاق میں اور رذائل میں سے ایک اہم وصف تکبر اور فخر وغرور ہے۔ یہ نہایت خطرناک مہلک بیماری ہے جو متکبرین کو اللہ کے غیظ وغضب اور عذاب کا مستحق بنا کر اسکی عاقبت کو خراب کر دیتی ہے۔ کبر وغرور کی حقیقت یہ ہے کہ انسان میں جب کوئی اچھا وصف یا کمال پایا جاتا ہے تو اس کے دل میں اس کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ یہ بالکل فطری چیز ہے اسمیں کوئی برائی نہیں لیکن جب یہ خیال اس قدر ترقی کر جائے کہ وہ اپنے کو برتر اور اپنے مقابلے میں دوسرے انسانوں کو کمتر و حقیر سمجھنے لگے تو اسی کو کبر وغرور اور اس اظہار کو تکبر کہتے ہیں چنانچہ کبر ایک باطنی وصف اور حالت کا نام ہے اور اس کے نتیجہ میں جو ظاہری اعمال صادر ہوتے ہیں اس کا نام تکبر ہے۔ دنیا میں اس بداخلاقی کا ظہور سب سے پہلے ابلیس لعین سے ہوا۔ وہ آدام علیہ السلام کو حقیر وکمتر سمجھ کر پکار اٹھا کہ" میں اس سے بہتر ہوں" اسی تکبر کی وجہ سے اس نے آدم علیہ والسلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا جس کا رب العالمین نے حکم دیا تھا۔(الاعراف 12)

تکبر کی وجہ سے اللہ نے قوموں کو نیست ونابود کر دیا

تکبر کبر اور بڑائی کو کہتے ہیں۔۔۔ یہ وہ بیماری ہے، جس کی وجہ سے انسان خود کو بڑا سمجھنے لگتا ہے اور دوسروں کو حقیر و ذلیل۔۔۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ولکن الکبر من بطراء الحق وغمط الناس** (مسلم)

’’تکبر کرنے والا وہ ہوتا ہے جو حق کو قبول نہ کرے بل کہ اس کو پس پشت ڈال دے اور لوگوں کو حقیر جانے‘‘ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلا تکبر کرنے والا شیطان ہے، جس نے آدم علیہ السلام کے مقابلے میں خود کو بالاتر سمجھا اور کہا: میں آدم سے بہتر ہوں، وہ مٹی سے بنا ہے اور میں آگ سے بنا ہوں اور وہ جنت سے نکال دیا گیا اور ہمیشہ کے لیے دوزخی ٹھہرایا گیا۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ أَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ (البقرۃ)
’جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے جھک جاؤ تو سب جھک گئے مگر ابلیس نے انکار کیا۔ وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں پڑ گیا اور نافرمانوں میں شامل ہو گیا۔ اسی جرم کی پاداش میں گزشتہ قوموں کو ہلاک و برباد کر دیا گیا۔۔۔ محض اس وجہ سے کہ انھوں نے اپنے نبی اور رسول کی باتوں کو ماننے سے انکار کیا۔۔۔ غرور و تکبر سے کام لیا۔۔۔ استکبار کا ارتکاب کیا۔۔۔ جس کی وجہ سے اللہ رب العالمین نے ان کو دنیا سے نیست و نابود کر دیا۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دیتے ہوئے کہا: وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوٓا۟ أَصَٰبِعَهُمْ فِيٓ ءَاذَانِهِمْ وَٱسْتَغْشَوْا۟ ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا۟ وَٱسْتَكْبَرُوا۟ ٱسْتِكْبَارًا ﴿نوح﴾ ’جب بھی میں نے ان کو بلایا، تاکہ تو انھیں معاف کر دے، انھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لیے اور اڑ گئے اور سخت سرکشی کی‘ اسی طرح دوسری قوموں پر جیسے قوم عاد اور قوم ثمود پر عذاب آیا۔۔۔ معلوم ہوا کہ تکبر ایسا مہلک مرض ہے، جو انسان کو ہلاکت و بربادی کے دہانے پر پہنچا دیتا ہے۔۔۔ اسی طرح

قرآن میں قارون کا وہ قصہ مشہور ہے کہ اسے اللہ رب العالمین نے کس قدر مال واسباب سے نوازا تھا اور جب اس سے پوچھا گیا کہ تونے یہ مال واسباب کہاں سے حاصل کیے تو اس نے بڑے تکبرانہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا: أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعاً وَلَا يُسْأَلُ عَن ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿قصص﴾ 'اس نے کہا کہ مال وجائیداد مجھے اپنے علم اور صلاحیت کے ذریعے ملی ہے، کیا اسے یہ بات معلوم نہیں تھی کہ اللہ نے اس سے پہلے بہت سی ایسی قوموں کو ہلاک کردیا جو اس سے زیادہ طاقتور اور زیادہ مال وجائداد والی تھیں۔' اسی طرح فرعون بادشاہ نے سرکشی کی اور تکبر کیا تو اللہ نے اس کو بھی سخت عذاب سے دوچار کیا جس نے انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ لگا رکھا تھا۔۔۔ اِس جرم کی پاداش میں اللہ نے اس کو ہلاک کردیا اور رہتی دنیا تک اس کو یادگار کے طور پر رکھا تاکہ لوگ جانیں کہ تکبر کا انجام کیا ہوتا ہے۔۔۔ غرضے کہ تکبر ایک سخت اور مہلک بیماری ہے۔۔۔ اس کی کتاب وسنت میں بڑی مذمت آئی ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً اِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولاً كُلُّ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِندَ رَبِّكَ مَكْرُوهاً (بنی اسرائیل)

'زمین میں اکڑ کر نہ چلا کر، نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ اونچائی میں پہاڑ کو پہنچ سکتا ہے۔ ان سب کاموں کی بڑائی تیرے رب کے نزدیک سخت ناپسند ہے۔' اسی لیے لقمان نے اپنے بیٹے کو بہت ساری وصیتیں کی تھیں۔ ان وصیتوں میں آپ نے تکبر سے بچنے کی بھی تلقین کی تھی۔ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (لقمان)

'اپنا منہ لوگوں سے نہ موڑو انھیں حقیر سمجھ کر یا اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر لوگوں سے تکبر کا رویہ نہ اختیار نہ کر بلکہ نرمی برت اور خوش خلقی سے پیش آ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک مرتبہ تکبر کا ذکر آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سخت مذمت فرمائی اور فرمایا کہ ایسے خود پسند مغرور لوگوں سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔ اس پر ایک صحابی نے کہا: یارسول اللہ! جب میں کپڑے دھوتا ہوں تو خوب سفید ہو جاتے ہیں تو مجھے بہت اچھے لگتے ہیں اسی طرح جوتے میں تسمہ اچھا لگتا ہے۔۔۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تکبر نہیں ہے تکبر اس کا نام ہے کہ حق کا انکار کرے اور لوگوں کو حقیر تصور کرے۔۔۔ تکبر کی مذمت بیان کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لایدخل الجنۃ احدٌ فی قلبہٖ مثقال حبۃٍ من خدولٍ من کبر** (مسلم)

'کسی شخص کے اندر رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہو گا، وہ جنت میں نہیں جائے گا۔' تکبر کرنے سے دنیا میں بھی سزا ملتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **من جر لقر جہٗ خیلاءً لم ینظر اللہُ الیہِ یومَ القیامۃِ** (بخاری)

'جس نے بھی تکبر سے اپنے کپڑے کو گھسیٹا (ٹخنوں سے نیچے تک لٹکا کر چلتے وقت زمین پر گھسیٹتا رہا)، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھیں گے۔' معلوم ہوا کہ تکبر سے ہمیشہ نقصان ہوتا ہے۔۔۔ مغرور آدمی اپنے آپ کو لوگوں سے بڑا سمجھتا ہے مگر حقیقت واضح ہو جانے کے بعد بہت جلد ذلیل ہو جاتا ہے۔۔۔ لوگ اسے دشمن تصور کرنے لگتے ہیں۔۔۔ سماج میں اس کا کوئی وقار نہیں رہتا۔۔۔ اس کی آبرو ختم ہو جاتی ہے۔۔۔ اس لیے اگر کوئی عزت

و وقار چاہتا ہے تو اسے تواضع و خاکساری اختیار کرنا ہوگا اور تکبر سے بالکل دور رہنا ہوگا۔۔۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ’سب انسان ایک آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بناء ے گئے ہیں اور مٹی میں تواضع و خاکساری ہے۔۔۔ تکبر و غرور نہیں ہے۔۔۔ لہٰذا اس کا علاج صرف اور صرف یہی ہوسکتا ہے کہ انسان اپنی حقیقت کو سوچے تو وہ خود ہی سمجھ سکتا ہے کہ میں کیا تھا اور کیا ہوگیا اور کیا ہو جاؤں گا۔۔۔ غرور و تکبر ادعائے عظمت و احساس کبریائی صرف اللہ رب العالمین و قادر مطلق کے لیے زیبا ہے وہی اس کا ہر طرح مستحق ہے۔ باقی سب اس کی مخلوق، دست نگر اور محتاج ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے: **الکبریاء رداءی والعظمةُ ازاری فمن نازعنی واحداً منھما قذفتہ فی النار** (ابوداؤد)

’کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا ازار ہے، جو شخص ان دونوں میں سے کوئی مجھ سے چھینے گا میں اسے جہنم میں داخل کروں گا۔‘ دعا ہے کہ اللہ ہم تمام مسلمانوں کو تکبر جیسی مہلک بیماری سے بچائے۔

تکبر نام ہے حق کے انکار اور لوگوں کی تحقیر کا

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ. قَالَ رَجُلٌ: إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً. قَالَ: إِنَّ اللهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ. الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ. حضرت عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا

جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہو گا۔ ایک آدمی نے پوچھا: آدمی اچھے کپڑے اور اچھے جوتے پسند کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ خوب صورت ہے اور خوب صورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر حق کا انکار اور لوگوں کی تحقیر ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِّنْ إِيْمَانٍ. وَلَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِّنْ كِبْرِيَاءَ. حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص جہنم میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے، اور وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ. حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہے۔

لغوی مباحث

'لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ': مراد ہے: وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا جس نے ...۔ اس طرح کے عمومی اسلوب کی متعدد مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔ اس طرح کے اسلوب کو حتمی یا کلی معنی میں لینا درست نہیں ہے۔ یہ اسلوب شدت کے ساتھ متوجہ کرنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید سے واضح ہے کہ وہی تکبر باعث جہنم

ہے جو حق کے انکار تک لے جانے کا باعث ہو۔ بَطَرُ الْحَقِّ: 'بَطَرُ الْحَق' سے مراد حق کی تضحیک اور اس کا ابطال ہے۔ 'غَمْطُ النَّاسِ': 'غَمْطُ النَّاسِ' کا مطلب لوگوں کو حقیر یا کم تر سمجھنا ہے۔ 'مِثْقَالُ حَبَّةٍ خَرْدَلٍ مِّنْ إِيمَانٍ': 'خردل' ایک سیاہ دانہ ہے جو بہت باریک ہوتا ہے۔ 'مثقال' کا لفظ مقدار بیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ اس دانے کے برابر مقدار مراد ہے۔ یہ کسی شے کی قلیل ترین مقدار کو بیان کرنے کا ایک اسلوب ہے۔ 'إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ': 'اللہ خوب صورت ہے'۔ شارحین نے یہ بحث کی ہے کہ اللہ کے خوب صورت ہونے سے کیا مراد ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کا صفات حسن و کمال سے متصف ہونا مراد ہے یا اللہ تعالیٰ کا انسانوں کے ساتھ لطف و عنایات سے پیش آنا مراد ہے؟ روایت کے در و بست ہی سے واضح ہے کہ یہاں پہلا پہلو مراد ہے۔

معنی

اس روایت میں دو باتیں بیان ہوئی ہیں: ایک تکبر کا انجام اور دوسرے یہ تصریح کہ اچھا لباس پہننے میں تکبر نہیں ہے، بلکہ تکبر حق کے انکار اور لوگوں کی تحقیر میں ہے۔ تکبر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کی ذرہ برابر مقدار بھی آدمی کو جنت کا مستحق نہیں رہنے دیتی۔ سورۂ اعراف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ. (۷:۴۰)

"بے شک جنھوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور تکبر کی وجہ سے ان سے گریز کیا، ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل

ہوں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔ اور ہم مجرموں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔'' اس آیت سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ متکبر کو جنت سے محرومی کی وعید کس وجہ سے دی جاتی ہے، یعنی جب تکبر تکذیب آیات پر منتج ہو۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حق سے گریز و انکار میں تکبر کو ایک بڑے محرک کی حیثیت حاصل ہے۔ تکبر اپنی اصل میں احساس برتری کا نام ہے، لیکن یہ مرض کی صورت اس وقت اختیار کر جاتا ہے، جب دوسرے انسان حقیر نظر آنے لگیں اور حق کا اثبات آدمی کو اپنی انا توڑنے کے مترادف لگنے لگے۔ قرآن مجید میں تکبر کا یہ پہلو کئی مواقع پر زیر بحث آیا ہے۔ ابلیس کا سجدہ کرنے سے انکار کا معاملہ بھی تکبر ہی کی وجہ سے پیش آیا۔ وہ انسان کے مقابلے میں اپنی برتری کے ایسے احساس میں مبتلا ہوا کہ کائنات کے مالک کا حکم نہ ماننے پر تل گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تکبر کا جو پہلو جنت سے محرومی پر منتج ہوتا ہے، وہ اس کا کفر تک لے جانا ہے۔ تکبر حقیقت میں دل کا مرض ہے۔ یہ اپنے بہتر یا بڑے ہونے کے تصور سے پیدا ہوتا اور بدرجۂ آخر دوسروں کی تحقیر اور حق قبول کرنے کی استعداد سے محرومی پر لے جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حق کو قبول کرنا بندگی کو قبول کرنا ہے اور بندگی تکبر کی بالکل ضد ہے۔ بندگی اپنے محتاج ہونے کا اقرار ہے۔ بندگی خدا کی کبریائی کا اقرار ہے۔ بندگی سر جھکانے کا نام ہے۔ بندگی اعتراف خطا کا نام ہے۔ یہ سارے عمل تکبر کی صورت میں نہیں ہو سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ متکبر خدا کی آیات کی تکذیب کرے گا۔ وہ عبادت سے گریزاں رہے گا۔ وہ اپنی انا کی وجہ سے دوسروں کے لیے باعث آزار بنا رہے گا۔ یہ سارے جرائم

جنت سے دور لے جانے والے جرائم ہیں۔ یہ بات کہ ذرہ برابر تکبر بھی جنت سے محرومی کا سبب بنے گا، نتیجے کے اعتبار سے کہی گئی ہے اور پیش نظر تنبیہ ہے۔ اگر کوئی شخص جہنم سے بچنا چاہتا ہے تو اسے اپنے آپ کو تکبر سے بچانا ہے۔ تکبر کا شائبہ بھی اگر اس کا علاج بروقت نہ ہو تو تکبر کے ان نتائج تک لے جائے گا جن سے ان روایات میں خبردار کیا گیا ہے۔ متکبر کے جنت میں نہ جانے کی وعید کی نوعیت ہمارے نزدیک یہی ہے، لیکن شارحین نے اس اشکال کو دو طرح سے حل کیا ہے: ایک یہ کہ تکبر والے لوگ تکبر کی صفائی کر کے جنت میں داخل کیے جائیں گے اور اس حوالے سے وہ قرآن مجید کی آیت **وَنَزَعۡنَا مَا فِيۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ غِلٍّ** ''اور ان کے سینے کی ہر خلش ہم کھینچ لیں گے'' (الاعراف ۷:۴۳) سے استدلال بھی کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ صاحب تکبر بعد میں جنت میں جائے گا۔ ہم نے اس روایت کو تنبیہ اور انذار کے معنی میں لیا ہے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطرے کی نشان دہی کی ہے جو ذرہ برابر بھی تکبر کی موجودگی سے پیدا ہو سکتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روایت میں تکبر کی جو توضیح کی ہے، اس سے واضح ہے کہ یہ تکبر کا آخری درجہ ہے۔ ہر آدمی کے اندر اپنے بارے میں اچھی رائے ہوتی ہے، لیکن یہ اچھی رائے آگے بڑھ کر انا اور تکبر کی صورت بھی اختیار کر لیتی ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ جب لوگ حقیر لگنے لگیں اور حق کو قبول کرنے میں انا آڑے آنے لگے۔ ظاہر ہے اس طرح کا متکبر ان جرائم کا مرتکب ہونے سے بچ نہیں سکتا جو جہنم میں لے جانے کا باعث ہیں۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ یہ دونوں چیزیں تکبر کی گھناؤنی حالت کی علامت بھی ہیں اور نتیجہ بھی۔ تکبر کے حوالے سے ایک سوال بھی اس روایت میں بیان ہوا ہے۔ یہ سوال

حضور سے بھی کیا گیا اور آج بھی لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہے۔ کیا اچھا لباس، اچھی خوراک، اچھی رہائش بھی تکبر ہی کا اظہار ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب نفی میں دیا ہے۔ یہ بات قرآن مجید میں بڑی وضاحت سے زیر بحث آئی ہے۔

سورۂ اعراف ہی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ. (الاعراف ۷:۳۲)

''کہہ دو: اللہ کی زینت کس نے حرام ٹھہرائی ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی ہے، اور پاکیزہ رزق بھی۔ کہہ دو: یہ (نعمتیں) دنیوی زندگی میں اہل ایمان کے لیے ہی ہیں، اور قیامت کے روز صرف انھی کے لیے ہوں گی۔ ہم جاننے والوں کے لیے اسی طرح آیات کو واضح کرتے ہیں۔'' اس آیت میں اہل ایمان کے لیے نعمتوں اور زینتوں سے لطف اندوز ہونے کو جس زور اور شان سے بیان کیا گیا ہے، اس سے ان تمام نظریات کی نفی ہو جاتی ہے جو ترک لذات کو دین داری کی معراج قرار دیتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں جس چیز کی مذمت ہوئی ہے، وہ دنیا پرستی ہے۔ بطن و فرج کی غلامی ہے۔ دین کے تقاضوں کے مقابلے میں دنیوی مفادات کو ترجیح دینا ہے۔ اچھا لباس پہننا اور چیز ہے اور اچھے لباس ہی کو اپنی ساری تگ و دو کا ہدف بنا لینا اور چیز۔ پہلی چیز محمود ہے اور دوسری مذموم۔ اس روایت میں اللہ تعالیٰ کی طرف صفت جمال کی نسبت کی گئی ہے۔ شارحین نے اس نسبت دینے کو بھی موضوع بنایا ہے اور اس کے معنی پر بھی کلام کیا ہے۔ سوال یہ زیر بحث ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کی

طرف ایسی صفت کی نسبت کی جا سکتی ہے جو قرآن میں بیان نہ ہوئی ہو۔ ہمارے نزدیک اس باب میں شارحین کی وہی وضاحت درست ہے جو انھوں نے سورۂ اعراف (۷) کی آیت ۱۸۰، لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى '(تمام اچھے نام اللہ کے ہیں) کی روشنی میں کی ہے۔ 'تمام اچھے نام اللہ کے ہیں' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام صفات کمال سے متصف ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہر اس صفت کی نسبت درست ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کاملیت کو ظاہر کرتی ہے۔ دوسرا زیر بحث پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صاحب جمال ہونے سے کیا مراد ہے؟ کچھ شارحین نے اس سے اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ رحمت و کرم کے برتاؤ کا پہلو مراد لیا ہے، لیکن اس روایت میں جس چیز پر استشہاد کیا گیا ہے، اس سے اس معنی کی مناسبت نہیں ہے۔ چنانچہ شارحین نے بالعموم اس معنی کو قبول نہیں کیا ہے۔ دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ جمیل یہاں مجمل کے معنی میں ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اشیا کو حسن بخشتے ہیں۔ یہ معنی بھی کھینچ تان کر ہی پیدا کیے گئے ہیں کہ لفظ جمیل کے معروف معنی کسی شے کے خود خوب صورت ہونے ہی کے ہیں۔ کسی بھی فعل یا صفت کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت اس میں خصوصی معنی پیدا کر دیتی ہے۔ شارحین کی مشکل یہ ہے کہ ذات باری کے بارے میں کوئی بات کیسے کہی جا سکتی ہے۔ یہ بات درست ہے، مگر وہ ذات جس نے اس کائنات کو جس طرح حسن بخشا ہے، یہ حسن خود اس کے صاحب جمال ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کائنات میں بکھری ہوئی نشانیوں ہی سے سمجھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے دونوں باتوں پر روشنی پڑتی ہے، اس پر بھی کہ وہ کیا پسند کرتا ہے اور اس پر بھی کہ وہ خود کیسا ہو گا۔ اوپر روایت میں ذرہ برابر ایمان کو بھی یقینی نجات کا ضامن قرار دیا گیا

ہے۔ یہ بات قرآن مجید کے تقابل میں محل نظر دکھائی دیتی ہے، اس لیے کہ قرآن مجید اصرار کے ساتھ ایمان اور عمل صالح بہ یک وقت دونوں کو یقینی نجات کے لیے شرط ٹھہراتا ہے۔ قرآن مجید کی روشنی میں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وضاحت اس طرح کریں گے کہ اس میں ایمان سے مراد وہ ایمان ہے جو محض قول کی حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ ایک حقیقی فیصلے کی حیثیت رکھتا ہے اور جس کا لازمی نتیجہ اعمال صالح ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب اس ایمان کا کوئی تصور نہیں رکھتے تھے جو بعد میں نسلی مسلمانوں میں اب ظاہر ہوا ہے کہ یہ محض نام کے مسلمان ہیں، ان کے اعمال پر اس اسلام کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا۔

متون

زیر بحث روایت کے تین متن امام مسلم نے اپنی کتاب کے لیے منتخب کیے ہیں: ایک متن میں ذرہ برابر تکبر کا انجام بیان ہوا ہے۔ دوسرے متن میں ذرہ برابر ایمان کا اجر بیان ہوا ہے۔ تیسرے متن میں دونوں جمع ہو گئے ہیں۔ اسی طرح ایک متن میں تکبر کی توضیح بھی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت جمال کے حوالے سے حسن وخوبی کو پسندیدہ بھی قرار دیا گیا ہے۔ کتب روایت میں اس روایت کے یہی متون الفاظ کے فرق کے ساتھ روایت کیے گئے ہیں۔ ایک اعتبار سے دیکھیں تو امام مسلم نے اختلاف متن کے تمام پہلو جمع کر دیے ہیں۔ باقی کتب روایت میں ایسا کوئی فرق روایت نہیں ہوا جو روایت کے معنی پر اثر انداز ہوتا ہو یا اس کے کسی پہلو کو سمجھنے میں مددگار ہو۔ بعض روایات میں انجام بیان کرنے کے لیے 'أكبه الله على وجهه في

النار، یا 'ما من رجل... تحل له الجنة أن یریح ریحها ولا یراها' کی تعبیرات اختیار کی گئی ہیں۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو وصیت کا ذکر کیا تھا جس میں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو یہ بات بھی بتائی تھی۔ آدمی کی پسند کا ذکر بالعموم اسی انداز میں ہوا ہے، جس طرح امام مسلم کی روایت میں درج ہے، لیکن بعض روایات میں ذرا تفصیلی انداز بیان بھی منقول ہے۔ ایک روایت میں مثال کے طور پر یہ بات ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے: 'إنی لیعجبنی أن یکون ثوبی غسیلاً، ورأسی دهیناً، وشراك نعلی جدیداً، وذکر أشیاء حتی ذکر علاقة سوطه'۔ ایک اور روایت میں اسی بات کے لیے یہ مثالیں بیان کی گئی ہیں: 'إنی أحب أن أتجمل بنقاء ثوبی، وبطیب طعامی، وبحسن مرکبی'۔ تکبر کی وضاحت میں امام مسلم کی روایت میں 'بطر الحق' اور 'غمط الناس' کی تعبیرات اختیار کی گئی ہیں۔ دوسری روایت میں 'بطر' کے لیے 'سفہ' کا لفظ آیا ہے۔ اسی طرح 'غمط' کی جگہ اسی کا مترادف 'غمص' یا 'ازدراء' آیا ہے۔ بعض روایات میں یہ تصریح بھی آئی ہے کہ وہ شخص متکبر نہیں ہوسکتا جو غریبوں کے ساتھ بیٹھ جاتا ہو۔ گدھے پر سواری کر لیتا ہو اور بکری کا دودھ پی لیتا ہو۔

متکبرین قیامت میں چیونٹیوں کی طرح پیروں سے پامال ہوں گے

اگر کوئی آدمی متکبر اور بڑا پن کرنے والا ہوگا تو اُسے یہ سزا دی جائے گی کہ چیونٹی کی طرح اُس کا جسم کر دیا جائے گا۔ "یُحْشَرُ الْمُتَکَبِّرُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ أَمْثَالُ

الذّرِّ فِیْ صُوَرِ الرِّجَالِ یَغْشَاھُمُ الذُّلُّ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ''[1]

متکبرین کو قیامت کے دن آدمیوں کی شکل میں چیونٹیوں کی طرح کر دیا جائے گا، ہر طرف سے ان پر ذلت چھائی ہوگی۔ اور ان کو جہنم میں کھینچ کر لے جایا جائے گا۔ سب لوگ تو بڑے ہوں گے اور یہ چیونٹی کی طرح ہوگا، لوگ اسے اپنے پیروں سے روندتے اور ٹھوکریں مارتے ہوئے ہوں گے تاکہ وہ لوگوں کے سامنے ذلیل ہو جائے، چاہے وہ اپنی جگہ پر بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔

بعض تواضع میں تکبر چھپا ہوتا ہے

یہاں ایک نکتہ سمجھ لینا چاہیئے کہ کبھی کبھی انسان اپنے نفس کی مذمت اس لئے بھی کرتا ہے کہ لوگ اسے متواضع سمجھیں، اور اس کا درجہ لوگوں کے نزدیک بلند ہو جائے ،اور اس کی تعریف کریں۔ یہ بھی ریا ہی کا ایک شعبہ ہے اور بہت دقیق ہے، سلف صالحین نے اس کی بھی نشاندہی کی ہے، چنانچہ حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیر کا ارشاد ہے کہ نفس کی خوشی کے لئے یہ بات بہت ہے کہ تم مجمع میں اس کی مذمت کر کے اس کی تزیین کا قصد کرو، خدا کے نزدیک یہ بڑی حماقت ہے۔

محبت دنیا سے بھی تکبر پیدا ہوتا ہے

سطور بالا سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکی ہے کہ مال وجاہ کی حرص ومحبت آدمی کے دین کو تباہ کر دیتی ہے اور اس کا بہت کم حصہ باقی چھوڑتی ہے، چنانچہ حدیث میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے، جاہ ومال کی محبت کی بنیاد حُبِّ دنیا ہے، اور حُبِّ دنیا

---

[1] سنن ترمذی: صفۃ القیامۃ / باب ۱۱۲

کی جڑ خواہشات کی پیروی ہے، حضرت وہب بن منبہ سے منقول ہے کہ ہوس کی پیروی سے دنیا کی رغبت پیدا ہوتی ہے، دنیا کی رغبت سے مال وجاہ کی محبت پرورش پاتی ہے، اور مال وجاہ کی محبت سے آدمی حرام کو حلال کرلیتا ہے، یہ بہت عمدہ بات ہے اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مال و جاہ کی ہوس کا سبب دنیا کی رغبت ہے، اور دنیا کی رغبت، خواہش کی پیروی سے جنم لیتی ہے، کیونکہ خواہشات کا کام ہی رغبت دنیا پر برانگیختہ کرنا ہے، اور مال وجاہ کا تعلق بھی دنیا ہی سے ہے، اس کے مقابلہ میں تقویٰ، خواہشات کی پیروی سے روکتا ہے، اور حب دنیا سے باز رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَأَمَّا مَنْ طَغَىٰ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ** (سورۃ النازعات)

جس نے سرکشی کی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی، پس جہنم ہی اس کا ٹھکانا ہے، اور جو اپنے پروردگار کے روبرو کھڑے ہونے سے خائف رہا اور نفس کو اس کی خواہش سے روکا تو جنت اس کا مستقر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل جہنم کی صفتِ مال اور حکومت کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: **وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهْ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ** بہر حال جس شخص کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا کاش مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیا گیا ہوتا، کاش میرا حساب مجھے نہ معلوم ہوتا، کاش وہیں بات ختم ہوجاتی، میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، میری حکومت وشوکت فنا ہوگئی۔ (سورۃ الحاقہ: ۲۵ تا ۲۹)

یہ کھلی حقیقت ہے کہ نفس انسانی اپنے اقران وامثال پر برتری کا فطرتاً طلب گار ہوتا ہے، اوراس کے زیر اثر کبر اور حسد کی پیداوار ہوتی ہے، لیکن عقل مند وہ ہے، جو دائمی برتری میں مسابقت کرے، جس میں اللہ کی رضامندی، اس کا قرب اوراس کی نزدیکی ہو، علو سے قطعاً اجتناب کرے، جو خود فانی ہے، مگراس کے نتیجے میں بندہ خدا کے قہر وغضب کا شکار ہوجاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی جناب سے بہت دور، انتہائی پستی میں جا گرتا ہے، یہ مذموم اور فانی علو کیا چیز ہے؟ یہی دنیا میں تکبر اور ناحق کی بڑائی، رہی آخرت کی برتری اور رفعت، جسے اللہ تعالیٰ یہ لازوال نعمت عطا فرمائیں وہ اس فانی اور مٹ جانے والے شرف وجاہ میں کیوں مشغول ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ**، تقوی کا لباس بہتر ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے **:مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا** (الفاطر)

جسے عزت وغلبہ کی طلب ہو وہ سمجھ لے کہ عزت تمام تر خدا کے قبضے میں ہے بعض روایت میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: **انا العزیز فمن اراد العزۃ فلیطع العزیز ومن اراد عز الدنیا والآخرۃ فعلیہ بالتقویٰ**۔ میں عزت والا ہوں پس جو شخص چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ عزت والے کی اطاعت کرے، اور جو شخص دنیا وآخرت کی عزت چاہتا ہے اس کے ذمہ تقویٰ لازم ہے۔ حجاج بن ارطاۃ کہا کرتے تھے مجھے حب جاہ نے ہلاک کیا، اس پران سے ایک سوار نے کہا کہ اگر تم خدا کا تقویٰ اختیار کرتے تو شرف وجاہ حاصل کر لیتے، صالح باجی کہتے ہیں کہ خدا کی طاعت، درحقیقت امارت ہے، اور خدا کا

فرماں بردار بندہ امراء کا حاکم ہے، دیکھو امراء کے دربار میں ان کی کس درجہ ہیبت ہوتی ہے، ان کی بات کو قبول کرتے اور ان کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں، پھر فرماتے ہیں کہ بار الہٰ! جس نے تیری خدمت میں کمر باندھی پھر تو نے اسے اپنی محبت سے نوازا، اس کا حق یہ ہے کہ ملوک وسلاطین اس کیلئے ذلیل وخوار ہوں، اور اس سے ہیبت زدہ ہوں، کیوں کہ اس کے دل میں تیری ہیبت جاگزیں ہے، اور تیرے پاس جو بھی بھلائی ہے، سب تیرے اولیاء کے حق میں مخصوص ہے، بعض سلف سے منقول ہے کہ اللہ کے اطاعت گزار بندے سے بڑھ کر خوش بخت وسعادت مند کون ہوسکتا ہے، تمام تر بھلائی طاعت میں ہے اور اللہ کا اطاعت گزار بندہ دنیا وآخرت میں بادشاہ ہے، حضرت ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ اس آدمی سے بڑھ کر حرمت وعزت کس کی ہوسکتی ہے جو ہر طرف سے کٹ کر محض اس ذات کا ہوکر رہ گیا ہو جس کے قبضہ میں ہر چیز کی ملکیت ہے۔

تکبر کی تباہی کا ایک عبرت آموز واقعہ

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے علامہ دمیری کی حیاۃ الحیوان کے حوالہ سے دوسری صدی ہجری کے قریب الختم کا ایک عبرت آموز واقعہ بیان کیا کہ مدینۃ الاسلام بغداد کے ایک مشہور بزرگ حضرت ابوعبداللہ اندلسیؒ جو عابد، زاہد اور عارف باللہ ہونے کے ساتھ حدیث وتفسیر میں بھی ایک جلیل القدر امام تھے، ان کو تیس ہزار حدیثیں حفظ تھیں اور قرآنِ کریم کو تمام روایاتِ قرأت کے ساتھ پڑھتے تھے، اکثر اہل عراق آپ کے مرید اور شاگرد تھے، ایک مرتبہ سفر کا ارادہ کیا تو تلامذہ اور مریدین میں سے بہت سے لوگ ساتھ ہولیے، جن میں حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت شبلیؒ بھی تھے، حضرت شبلیؒ کا بیان ہے کہ دورانِ سفر ہمارا گذر عیسائیوں کی ایک بستی پر ہوا، نماز کا وقت تھا، اس لیے پانی کی تلاش

میں بستی کا چکر لگایا، وہاں کے مندروں اور گرجا گھروں میں ایک بڑے مجمع کو باطل پرستی میں مبتلا دیکھ کر ہم ان کی گمراہی پر حیرت کرتے ہوئے آگے بڑھے، اور بستی کے کنارے ایک کنویں پر پہنچے، جس پر چند لڑکیاں موجود تھیں، اتفاق سے ان میں ایک نہایت خوبصورت سردار کی لڑکی پر شیخ کی نظر پڑی تو حالت ہی بدل گئی، حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ سر جھکائے بیٹھے رہے، نہ کچھ کھاتے پیتے، نہ بات چیت کرتے، بس وقت پر نماز پڑھ لیتے، ہمیں جب کوئی تدبیر نظر نہ آئی تو میں نے پیش قدمی کرتے ہوئے عرض کیا کہ "شیخ! آپ کے مریدین آپ کے مسلسل خاموش رہنے سے سخت حیران پریشان ہیں، کچھ تو فرمائیے!" اس پر کہا کہ "عزیزو! میں کب تک اپنی حالت تم سے پوشیدہ رکھوں! بات یہ ہے کہ جس لڑکی کو میں نے دیکھا تھا اس کی محبت مجھ پر غالب آگئی، اب میرے لیے ممکن نہیں کہ کسی طرح اس بستی کو چھوڑوں، مجھ سے ولایت کا لباس اتار لیا گیا، ہدایت سلب کر لی گئی، قضا وقدر نافذ ہوگئی، معاملہ میرے بس کا نہیں ہے" حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ کی اس حالت سے ہم حیرت وحسرت سے روتے ہوئے وطن کی طرف لوٹے، پھر ایک سال اسی حالت پر گذر گیا، اس کے بعد ہم مریدوں نے ارادہ کیا کہ جا کر دوبارہ شیخ کی خبر لیں، چناں چہ جب ہم دوبارہ بستی میں پہنچے تو پتہ چلا کہ شیخ نے سردار کی لڑکی سے رشتہ مانگا تو اس نے اس شرط پر منظور کیا کہ وہ ایک سال تک جنگل میں سوّر چرائیں گے، جس کو انہوں نے بخوشی قبول کیا، لہٰذا اس وقت وہ جنگل میں خنزیر چرا رہے ہیں، ہم نے جنگل جا کر دیکھا تو شیخ کی عجیب حالت تھی کہ سر پر نصاریٰ کی ٹوپی اور کمر پر زنار ہے اور اُس عصا پر ٹیک لگائے خنزیر چرا رہے تھے جس پر وعظ اور خطبہ کے وقت سہارا لیتے، اس منظر نے ہمارے

زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا، میں نے قریب جا کر کہا کہ ''شیخ! اس علم وفضل کے ہوتے ہوئے آج یہ حالت!'' تو شیخ نے کہا: ''اللہ نے جس طرح چاہا مجھ میں تصرف کیا، لوگو! اس اللہ کے قہر سے ڈرو! اور اپنے علم وفضل پر غرور نہ کرو اور اپنے غیر کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو'' پھر شیخ نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا: ''میرے مولیٰ! میرا گمان تیرے بارے میں ایسا بالکل نہ تھا کہ تو مجھے ذلیل اور خوار کر کے اپنے در سے نکال دے گا'' یہ کہہ کر رونا شروع کیا، تو ہم ہی نہیں، بلکہ جنگل کے جانوروں پر بھی رقت طاری ہوگئی، بالآخر سچی توبہ اور آہ وزاری کے نتیجہ میں دربارِ الٰہی سے معافی مل گئی، اور پہلے سے زیادہ علم وفضل سے نوازا گیا، حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ ''میں نے دریافت کیا کہ ''حضرت! زمانۂ ابتلا میں قرآن وحدیث میں سے آپ کو کچھ یاد بھی رہا؟'' فرمایا: ''صرف دو آیتیں اور ایک حدیث۔ پہلی آیت:

{وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ} (الحج:۱۸)

یعنی ''حق تعالیٰ جس کو ذلیل کر دے اسے کوئی تکریم اور عزت نہیں دے سکتا، اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔'' دوسری آیت:

{وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ} (البقرۃ:۱۰۸)

یعنی ''جس نے ایمان کو کفر کے بدلے اختیار کیا تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہوگیا۔''

ایک حدیث یہ یاد رہی کہ ''مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ'' جو اپنا دین بدل دے اس کو قتل کردو۔''

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ ''میں نے دریافت کیا: ''حضرت! اس ابتلاء کا کوئی سبب؟'' فرمایا: ہاں، جس وقت عیسائیوں کی بستی میں ہمارا گذر بتخانوں اور گرجا گھروں پر ہوا تو وہاں مجمع عام کو باطل پرستی میں دیکھ کر میرے دل میں ان کی حقارت

کے ساتھ تکبر اور بڑائی پیدا ہوگئی کہ ہم مومن اور موحد ہیں اور یہ کم بخت کیسے احمق ہیں کہ ایسی بے شعور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں، بس اسی وقت ایک غیبی آواز آئی کہ ''ایمان وتوحید کچھ تمہارا ذاتی کمال تھوڑا ہی ہے، یہ سب تو ہماری توفیق سے ہے، اگر چاہو تو ابھی بتلا دیں۔'' شیخ کہتے ہیں کہ اس کے فوراً بعد ایک پرندہ میرے اندر سے نکل کر اڑ گیا جو درحقیقت ایمان تھا۔

دل کے کانوں سے سن فغاں میری

درسِ عبرت ہے داستاں میری

تکبر دل کی تمام بیماریوں کی جڑ ہے

واقعہ یہ ہے کہ جب دل میں یہ خیال خام پیدا ہو کر راسخ ہو جاتا ہے کہ میں بڑا اور دوسروں سے اچھا ہوں، تو اس کے اثر سے دل میں حسد، غصہ، کینہ وغیرہ جیسی بہت سی روحانی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، مثلاً اپنی افضلیت کا خیال دل میں جم جانے کے بعد اب اگر اسے کوئی کسی موقع پر نصیحت کرتا ہے تو ناک بھوں چڑھانے لگتا ہے، خصوصاً جب کوئی کم عمر اور کم درجہ والا نصیحت کرے، گناہ چھوڑنے کو کہے تو کہتا ہے: ''آج کل کا آیا ہوا ہمیں نصیحتیں کرنے لگا'' اس طرح حق کا انکار کر دیتا ہے، پھر جسے وہ خود سے کم تر سمجھتا تھا وہ اگر دینی یا دنیوی اعتبار سے ترقی کر گیا تو یہ دل میں حسد کرنے لگتا ہے کہ یہ مجھ سے آگے کیسے بڑھ گیا؟ اس طرح تکبر کے ذریعہ حسد پیدا ہوتا ہے، اور بسا اوقات غصہ بھی تکبر کے اثر سے ہوتا ہے، وہ اس طرح کہ دوسروں کے مقابلہ میں اپنی افضلیت کا خیال دل میں جم جانے کے بعد اب اگر کسی مجلس میں صدر مقام یا عزت کی

جگہ پر بیٹھنے کو نہ ملے، یا کوئی سلام میں پیش قدمی نہ کرے یا تعظیم نہ کرے تو دل ہی دل میں غصہ آتا ہے، لیکن اس کا اظہار تو کر نہیں سکتا، اس لیے یہی غصہ بالآخر کینہ میں بدل جاتا ہے، پھر جب دل میں کینہ آ گیا تو اس کے نتیجہ میں تجسس اور غیبت جیسے روحانی مہلک امراض وجود میں آتے ہیں، تو ان سب کی اصل جڑ کبر ہے، اس لیے امام غزالیؒ نے تکبر کو ''ام الامراض'' فرمایا۔ یعنی تمام بیماریوں کی ماں، اس لیے کہ دل کی بہت سی پوشیدہ روحانی بیماریاں اسی سے پیدا ہوتی ہیں، لہٰذا اس کے اسباب معلوم کر کے علاج کرنا ضروری ہے۔

تین بدنصیب آدمی:

اور یہ بات تو بہت ہی عجیب ہے کہ بعض لوگوں کے پاس نہ مال ہے نہ جمال، نہ کوئی اور کمال، پھر بھی تکبر سے مرے جاتے ہیں، حدیث پاک میں ہے کہ تین قسم کے آدمی ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام فرمائیں گے نہ ان کا تزکیہ (پاک) فرمائیں گے اور نہ ان کی طرف نگاہِ کرم ڈالیں گے، ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، وہ تین بدنصیب آدمی یہ ہیں:

''شَيْخٌ زَانٍ، وَمَلِكٌ كَذَّابٌ، وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ''۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ/ص: ۴۳۳)

(۱) بوڑھا زناکار: جس کی شہوت تو کمزور ہو چکی، مگر ہوس ختم نہیں ہوئی، جوانی میں اگر کوئی شخص زنا کا مرتکب ہو تو اس کا یہ گناہ کبیرہ ہونے کے باوجود قابل درگذر ہو سکتا ہے؛ کیوں کہ جوانی کی حالت میں شہوت سے مغلوب ہونا ایک فطری کمزوری ہے، لیکن اگر کوئی بوڑھا بوڑھاپے میں یہ حرکت کرے تو یہ اس کی طبیعت کی سخت خباثت کی علامت ہے۔

(۲) جھوٹا بادشاہ: جو شخص صاحب اقتدار ہونے کے باوجود جھوٹ بولتا ہے، اگر کوئی عام

آدمی اپنی ضرورت نکالنے کے لیے جھوٹ بول دے تو اس کا گناہ بھی کبیرہ ہونے کے باوجود قابل معافی ہوسکتا ہے، لیکن ایک صاحب اقتدار حکمراں اگر جھوٹ بولتا ہے تو یہ اس کی طبیعت کی انتہائی گندگی اور اپنے رب سے بے باکی کی نشانی ہے۔

(۳) فقیر متکبر: کوئی دولت مند اگر تکبر کرے تو یہ انسان کی عام فطرت کے لحاظ سے کچھ مستبعد نہیں، لیکن گھر میں فقر وفاقہ کے باوجود اگر کوئی شخص غرور اور تکبر کی چال چلتا ہے تو بلاشبہ یہ اس کی انتہائی دنائت اور کمینہ پن کی علامت ہے۔ (مستفاد از: معارف الحدیث: ۲/ ۲۸۴)

تکبر کی معیصت بھیک منگوادیتی ہے

حضرت عبدالرحمن صفویؒ نے اپنی کتاب ''نزہۃ المجالس'' میں ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ''ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ'' میں نے حرمِ کعبہ میں ایک شخص کو بڑی شان وشوکت سے طواف کرتے ہوئے دیکھا، اس کے حشم وخدم اس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو طواف کرنے سے روک رہے تھے، مجھے بڑا تعجب ہوا، لیکن اس سے زیادہ تعجب اس وقت ہوا جب اسی شخص کو میں نے اپنی آنکھوں سے بغداد کے پل پر لوگوں سے سوال کرتے ہوئے دیکھا، میں نے حیرت سے اس کا سبب پوچھا، تو اس نے جواب میں کہا کہ ''حضرت! بات دراصل یہ ہے کہ میں نے اپنی عادت کے مطابق اس جگہ بھی تکبر کیا جہاں لوگ تواضع اختیار کرتے ہیں، یہ اسی کی سزا ہے''۔ (نزہۃ المجالس ص: ۱/ ۲۸۹) العیاذ باللہ العظیم۔

جن قوموں نے تکبر کیا وہ آخر مٹ گئیں

یہ محض شاعری نہیں، بلکہ حقیقت اور سچائی ہے، جس پر دنیا کی تاریخ شاہد ہے، آپ دیکھئے نا! آج تک اس دنیا میں کیسی زبردست قوت کی حامل قومیں آئیں، قومِ نوح، قوم ثمود اور قومِ عاد جنہیں اللہ تعالیٰ نے بڑی حکومت، طاقت اور دولت دی تھی،

جس کے نشہ میں چور ہو کر وہ اپنی حقیقت، اصلیت اور اوقات بھول گئے، تکبر اور بڑائی کرنے لگے، {مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً} (حم السجدة: ۱۵) کا نعرہ لگانے لگے، نتیجہ کیا نکلا؟ اللہ رب العزت نے ان کو عبرت ناک انجام تک پہنچایا، کسی کو غرقِ آب کیا، کسی کو آگ سے ہلاک کیا، کسی کو زمین میں خاک کیا اور کسی کو ہوا سے برباد کیا۔ قرآنِ پاک نے قومِ ثمود کا حسرت ناک حال بیان کیا کہ اللہ رب العزت نے ان پر ایک تیز وتند ہوا بھیجی، {رِيحًا صَرْصَرًا} (حم السجدة: ١٦) جو آٹھ دن اور سات راتیں چلتی رہی، اتنی شدید تھی کہ ان کو پٹخ پٹخ کر زمین پر مار گرایا، قرآن کہتا ہے کہ ان کی لاشیں زمین پر ایسی بکھری پڑی تھیں، "كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ} (الحاقة: ٨) جیسے کھجور بڑے بڑے کھوکھلے تنے زمین پر بکھرے ہوں، بہر حال جب قوموں نے تکبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مٹا دیا، اور افراد نے تکبر کیا تو وہ مٹ گئے، اس لیے دوستو! تواضع کا سہارا لے کر چلا کرو، ورنہ تکبر کی ٹھوکر ہلاک کر دے گی۔

بقولِ شخصے: زبر نہیں، زیر ہو جا ☆ کیوں کہ آگے پیش ہونا ہے۔

تکبر نہایت ہی سنگین جرم ہے

نسان ضعیف البنیان ہے، ابتداء میں وہ نا قابل بیان تھا، پھر اپنی پیدائش سے لے کر موت تک پریشان رہتا ہے، مختلف قسم کی ضرورتوں کا محتاج ہوتا ہے، ذرا سی بیماری و پریشانی سے بے کار ہو کر بیٹھ جاتا ہے، بسا اوقات اسے دوسروں کا اختیار تو درکنار خود اپنی ذات اور نفس کا بھی پورا اختیار نہیں ہوتا، پھر انجام کار موت کا شکار ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں تکبر اس کے لیے کس طرح مناسب ہو سکتا ہے؟ اور وہ اس صفت الٰہی میں ساجھی اور

شریک ہونے کی جرأت کس بنا پر کرسکتا ہے؟ یہ شانِ بندگی کے قطعاً خلاف ہے، اس لیے جب کوئی بندہ حقیقت کو بھول کر اللہ تعالیٰ کی اس مخصوص صفت میں شریک ہونا چاہتا ہے، یعنی تکبر کرتا ہے تو حق تعالیٰ کے دربار میں وہ بہت ہی بڑا مجرم بن جاتا ہے؛ کیوں کہ اس کا یہ جرم نہایت ہی سنگین ہے، اس لیے اس کی بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔

تکبر کرنے والا اللہ کا محبوب نہیں ہوسکتا چاہے وہ عبادت گزار ہو

قرآن پاک میں فرمایا: {إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ} (النحل:۲۳)

''اللہ رب العزت تکبر کرنے والوں سے محبت نہیں کرتے۔'' اور اللہ تعالیٰ کی نظر محبت سے محروم رہنے والا عزت کیسے پا سکتا ہے؟ متکبروں کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا محرومی ہوسکتی ہے کہ جب تک وہ تکبر سے توبہ نہیں کر لیتے خواہ کتنی ہی نیکیاں کر لیں، مگر وہ عباد الرحمن یعنی رب العالمین کے محبوب اور پسندیدہ بندوں میں شامل ہو ہی نہیں سکتے۔

صاحبو! اللہ تعالیٰ کو وہ گنہگار تو پسند ہے جو توبہ کر کے تواضع اختیار کرے، مگر وہ عبادت گزار پسند نہیں جو تکبر کرے۔ سیدنا آدم علیہ السلام سے ایک چوک ہوگئی، جس کے بعد انہوں نے فوراً توبہ کی، تواضع وعاجزی اختیار کی، تو دربارِ الٰہی سے معافی بلکہ مقبولیت مل گئی، اس کے برخلاف شیطان نے حکم الٰہی کے سامنے جھکنے کے بجائے تکبر کیا، تو اسے ذلت ولعنت ملی، اس کی ساری عبادتیں ضائع اور برباد ہوگئیں، عزت کی بلندیوں سے ذلت کی پستیوں میں ڈال دیا گیا، اسی لیے مبلغ اسلام علامہ سید عبدالمجید ندیم شاہ صاحبؒ فرماتے تھے: ''تکبر انسان کو ہضم ہی نہیں ہوتا، کہ یہ اللہ ہی کی شان ہے، انسان اسی وقت بلند

ہوتا ہے جب وہ (اللہ تعالیٰ ہی کے لیے) تواضع اختیار کرتا ہے، لہٰذا جتنی عاجزی اختیار کروگے بلند ہوتے جاؤگے، اور جتنا تکبر اختیار کروگے پست ہوتے جاؤگے۔''

کہنے والے نے سچ ہی کہا ہے:

وہ ڈالی ٹوٹ ہی جاتی ہے ہوا کے ایک جھونکے سے
جسے اپنی بلندی پر ذرا بھی ناز ہوتا ہے
جھکتے وہی ہیں جن میں جان ہوتی ہے
اکڑ کے رہنا مردوں کی پہچان ہوتی ہے

حدیث میں آتا ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ خطبہ میں فرمانے لگے: ''لوگو! تواضع وعاجزی اختیار کرو؛ کیوں کہ میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کی، یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر اور اس کی رضا حاصل کرنے کی نیت سے تواضع کی تو حق تعالیٰ اسے عزت وعظمت عطا فرماتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ خود اپنے خیال اور نگاہ میں تو چھوٹا ہوگا، لیکن عام بندگانِ خدا کی نظر میں بڑا ہوگا۔ ''**وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ**' اس کے برخلاف جو شخص تکبر اور بڑائی کا رویہ اختیار کرے گا تو حق تعالیٰ اسے ذلیل اور خوار فرمائیں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ عام لوگوں کی نگاہوں میں کتوں اور خنزیروں سے بھی زیادہ ذلیل اور بے وقعت ہوجائے گا، اگرچہ خود اپنے خیال میں بڑا ہو۔ (مشکوۃ/ص: ۴۳۴/ باب الغضب والکبر/ الفصل الثالث، رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

پستی سے سربلند ہوا اور سرکشی سے پست
اس راہ کے عجیب نشیب وفراز ہیں

معلوم ہوا کہ جیسے قناعت کا پھل راحت ہے اسی طرح تواضع کا پھل عزت اور تکبر کا نتیجہ ذلت ہے۔

انکارِ حق' تکبر کی پہلی علامت:

تکبر کی پہلی علامت انکارِ حق ہے، اس سے متکبر بسا اوقات دین حق اور راہِ ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے، شیطان، قارون، فرعون، ہامان وغیرہ اسی تکبر یعنی انکارِ حق کی وجہ سے محروم ہوئے، ارشادِ ربانی ہے:

{وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَلَقَدْ جَآءَ هُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْأَرْضِ} (العنکبوت:۳۹)

''اور ہم نے قارون، فرعون اور ہامان کو بھی ہلاک کیا؛ کیوں کہ ان کے پاس (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کھلی دلیلیں لے کر آئے تھے، مگر انہوں نے تکبر کیا۔'' حق کا انکار کیا (جس کے نتیجہ میں وہ ہلاک کر دیے گئے) ایک اور مقام پر فرمایا:

{إِنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ} (الصافات:۳۵)

''وہ لوگ ایسے تھے جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو وہ تکبر کرتے تھے۔''

آج بھی بہت سے لوگ دین اسلام کو حق جانتے ہیں، اپنی تقریر و تحریر کے ذریعہ اس کی صداقت وحقانیت کا اظہار بھی کرتے ہیں، لیکن اپنی دنیوی قیادت، سیادت اور مال ودولت کی وجہ سے قبول نہیں کرتے، اس انکارِ حق ہی کو تکبر کہتے ہیں، قرآن کہتا ہے:

{وَيْلٌ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيْمٍ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ

مُسْتَكْبِرًا كَأَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ (الجاثیۃ:۷-۸)

''بڑی خرابی ہوگی ہر ایسے شخص کے لیے جو جھوٹا ہے، نافرمان ہے، جو اللہ کی آیتوں کو سنتا ہے جب وہ اس کے روبرو پڑھی جاتی ہیں، پھر بھی وہ تکبر کرتا ہے اور اس طرح اڑا دیتا ہے جیسے ان کو سنا ہی نہیں، سو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیجیے۔''

اسی طرح بہت سے مدعیانِ اسلام کا بھی یہی حال ہے کہ وہ شریعت کے احکام اور طور وطریق کو بظاہر درست اور حق جانتے ہیں، مگر بہت سی باتوں پر عمل نہیں کرتے، مثلاً شریعت اسلامیہ کے مطابق اپنی شکل وصورت نہیں بناتے، صالحین کا لباس نہیں پہنتے، طریقِ سنت کے خلاف بدعات اور رسومات اختیار کرتے ہیں، یہ سب عملی طور پر حق کا انکار ہی تو ہے، جو تکبر کی علامت ہے، حتیٰ کہ بعض لوگ تو زبانی طور پر بھی انکار کر دیتے ہیں، جب انہیں کسی اسلامی ہدایت اور حکم کی طرف توجہ دلائی جائے تو کہتے ہیں: ''ہمیں سب معلوم ہے۔'' یعنی ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ ہم ماننے والے نہیں، یہ سب تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اسی طرح ''بَطَرُ الْحَقِّ'' میں یہ بھی داخل ہے کہ- العیاذ باللہ- کوئی عالم دین قصداً یا غلطی سے مسئلہ غلط بتا دے، پھر جب اسے تنبیہ کی جائے تو اپنی بات یا فتویٰ سے رجوع کرنے کے بجائے اسی پر جما رہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

برسماعِ راست ہر کس قدیر نیست
طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست

''یاد رکھو! اچھی اور سچی بات سننے کی طاقت ہر کسی کو نہیں ہوتی، جس طرح انجیر جیسے

مزیدار عجیب الخواص پھل کھانے کی طاقت ہر کسی پرندہ کو نہیں ہوتی۔''

غرض! حق کو جس طرح بھی ٹھکرایا جائے یہ سب تکبر میں داخل ہے۔

بریلی کا ایک قصہ حکام سے ملنے نہ جانے میں تکبر ہے

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: میں بریلی گیا تھا صاحب جنٹ علم دوست آدمی تھے انہوں نے سنا تھا کہ میں نے تفسیر لکھی ہے مجھ سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا مجھ سے بھائی اکبر علی نے کہا ایسی بات ہے میں نے کہا ٹال دیجئے ہاں اگر نئی دفعہ کہیں اور اصرار کریں تو کیا مضائقہ ہے۔ انہوں نے پھر اشتیاق ظاہر کیا اور اس کے لئے بھی تیار تھے کہ مجھ سے خود آکر ملیں۔ میں نے کہا میں خود ملوں گا۔ اگر چہ یہ خیال ہوسکتا تھا کہ ان کے آنے میں علی کی وقعت ہے۔ مگر سمجھ میں آیا کہ یہ صرف نفس کی تاویل ہے اور اصل اس کی شہرت اور عجب ہے۔

تکبر امام تھانوی رحمۃ اللہ کی نگاہ میں

فرمایا۔ تکبر کے عدم کا اگر خیال آوے کہ میں تکبر نہیں کرتا تو وہ بھی شعبہ تکبر ہے۔ کیونکہ چمار کبھی یہ خیال نہیں کرے گا کہ میں شیخی نہیں بگھارتا۔ از ملفوظات حکیم الامتؒ جلد 14)

نیک کام کے بعد اس کی قبولیت اور تکبر سے حفاظت کے لیے ایک دعاء

حضرت حکیم الامتؒ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے اکابر نے فرمایا کہ جب بھی کوئی نیک کام ہوجائے یہ دعا کرنی چاہیے رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ یہ دعا پڑھ لینے سے دو فائدے ہوں گے: ایک تو اس کی برکت سے آپ کا نیک عمل اور محنت اور اہتمامِ درس و تدریس قبول ہوگی۔ نمبر دو ان شاء اللہ تکبر سے

تحفظ رہے گا۔ اور اس کی وجہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں لکھی ہے کہ تقبل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بابِ تفعل اختیار کیا **وَفِي اخْتِيَارِ صِيغَةِ التَّفَعُّلِ اِعْتِرَافٌ بِالْقُصُوْرِ** یعنی ہماری عبادت حقیقت میں آپ کی عظمتِ غیر محدود کے قابل تو نہیں ہے، لیکن آپ ازراہِ کرم بلا استحقاق قبول فرمالیں۔ تو دین کے خادموں کو یہ سبق ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب بھی کوئی اچھا کام ہوجائے یہ دعا کرلیا کرو **رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ** یعنی **سَمِيْعٌ بِدَعَوَاتِنَا** آپ ہماری دعاؤں کو سن رہے ہیں **وَعَلِيْمٌ بِنِيَّاتِنَا** اور ہماری نیتوں سے باخبر ہیں۔ ۲۴؍ جمادی الثانی ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۶؍ اکتوبر ۱۹۹۸ء، بروز جمعہ، بعد نمازِ مغرب، بوقت سوا سات بجے، مسجد بلال ٹائر، ملاوی۔

فائدہ: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

دینی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ علماء کی نصرت کرنا چاہئے اگرچہ وہ بدعمل بھی ہوں، اگر عوام کے قلب سے علماء کی وقعت گئی تو دین کا خاتمہ ہوجائے گا، کیونکہ پھر وہ سب ہی علماء سے بدگمان ہوکر کسی بات پر دھیان بھی نہ دیں گے۔ (مجالس حکیم الامت ص: ۱۳۱)

نیز ارشاد فرمایا: فرمایا جب کوئی عام آدمی علماء پر اعتراض کرتا ہے تو اگر وہ اعتراض صحیح بھی ہو جب بھی یہ جی چاہتا ہے کہ علماء کی نصرت کروں، جو بظاہر عصبیت ہے مگر میری نیت درحقیقت یہ ہوتی ہے کہ عوام علماء سے غیر معتقد نہ ہوں ورنہ ان کے دین و ایمان کا کہیں ٹھکانہ نہیں۔ (مجالس حکیم الامت ص: ۱۶۶)

نیز فرمایا: علماء کی وقعت عوام کے قلب سے ہرگز کم نہ کرنی چاہئے، میں گوشہ نشینوں

سے مدرسین کو افضل سمجھتا ہوں، جو کام میں کر رہا ہوں یعنی تربیت سالکین اگر یہ دوسری جگہ ہوتا تو میں کتابیں پڑھاتا۔ (القول الجلیل ص:۷۹)

علماء کا اعتقاد عوام کے قلب سے نہ نکلنا چاہئے کیونکہ اس اعتقاد کا کم ہوجانا بڑی خطرناک بات ہے، اگر عوام کا عقیدہ علماء سے خراب ہو گیا تو پھر عوام کے لیے کوئی راہ نہیں گمراہ ہوجائیں گے۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ چاہے عالم بدعمل ہی کیوں نہ ہو مگر فتویٰ جب دے گا صحیح ہی دے گا۔ (الافاضات الیومیہ ۱/ ۲۲۳)

علماء کی زیارت وخدمت کس نیت سے کرنا چاہئے

فرمایا: مسلمانوں کو علماء کی خدمت چار نیتوں سے کرنا چاہئے:

(۱) اسلام کی جہت سے، چنانچہ محض اسلام کی وجہ سے کوئی مسلمان کسی مسلمان کی زیارت کو جائے یعنی محض حسبۃً للہ (ثواب کی نیت سے) ملاقات کرے، تو ستر ہزار فرشتے اس کے پاؤں تلے اپنے پر اور بازو بچھا دیتے ہیں۔ تو جب مطلقاً ہر مسلمان کی زیارت میں یہ فضیلت ہے تو علماء کی زیارت میں بھی یہ فضیلت (بدرجۂ اولیٰ) ضروری ہے۔

(۲) یہ کہ ان کے قلوب واجسام حامل علومِ نبوت ہیں، اس جہت سے بھی وہ قابل تعظیم اور لائق خدمت ہیں۔

(۳) یہ کہ وہ ہمارے دینی کاموں کی نگرانی کرنے والے ہیں۔

(۴) ان کی ضروریات کے تفقّد کے لیے، کیونکہ اگر دوسرے مسلمان ان کی دنیوی ضرورتوں کا تفقّد کر کے ان ضرورتوں کو پورا

کر دیں جن کو اہل اموال پورا کر سکتے ہیں تو علماء اپنی ضرورتوں میں وقت صرف کرنے سے بچ جائیں گے اور وہ وقت بھی خدمت علم و دین میں خرچ کریں گے، تو اہل اموال کو اُن کے اِن اعمال کا ثواب ملے گا۔ (ملفوظات مولانا محمد الیاس صاحبؒ ص: ۵۴ ملفوظ نمبر ۵۲)

اگر اپنا بغض فی اللہ کا امتحان لینا ہو تو اس طرح لو

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے شخص! تجھ کو شیطان نے دھوکہ دے رکھا ہے اور یہ بہکایا ہے کہ تو غضب فی اللہ کرتا ہے، اور اس کا امتحان یہ ہے کہ جی سے تم کو تمہاری بات رد کرنے یا تمہارے بیان کئے ہوئے مسئلہ کو رد کرنے سے غصہ آتا ہے، اگر یہی مسئلہ دوسرا عالم بیان کرے اور اس عالم میں اور تم میں مخالفت بھی ہو اور کوئی شخص اس کے مسئلہ میں مزاحمت کرے (اور اس کا رد کرے) تو دیکھو تمہارا جی خوش ہوتا ہے یا نہیں؟ غالب تو یہی ہے کہ تمہارا جی خوش ہوگا۔ اس سے تم خود فیصلہ کر لو کہ تمہارا یہ غضب فی اللہ تھا یا نہیں، اگر واقعی غضب فی اللہ تھا تو کیا وجہ ہے کہ تمہارے مخالف نے جب وہی مسئلہ بیان کیا اور اس سے کسی نے مزاحمت کی تو تم کو اس وقت کیوں حق کا رد کرنے کی وجہ سے ویسا جوش نہیں آیا (جیسا اپنے بیان کردہ مسئلہ کے رد کرنے میں آیا تھا) اس سے معلوم ہو گیا کہ تیرے اندر دین کی حمیت نہیں نفسانی جوش ہے، یہ ایک ایسا امتحان ہے کہ اس میں بہت کم پاس نکلیں گے، یہ ساری خرابی اس کی ہے کہ اپنے کمالات پر نظر ہے، اور اپنے عیوب نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ (عمل الذرۃ ملحقہ آداب انسانیت ص ۵۲۰)

مؤمنین کے دلوں میں بغض

گناہوں کی وجہ سے ایک بات یہ ہوتی ہے کہ اہلِ حق اور مؤمن حضرات کے دلوں

میں گنہ گار سے بغض ونفرت پیدا ہو جاتی ہے، جس طرح نیکی وتقوے کی وجہ سے اہل حق کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

"إِنَّ لِلْحَسَنَةِ ضِيَاءً فِيالوَجْهِ، وَنُوراً فِيالقَلْبِ، وَسَعَةً فِيالرِّزْقِ، وقُوَّةً فِيالْبَدَنِ ، وَ مَحَبَّةً فِي قُلُوبِ الخَلْقِ ، وَإِنَّ لِلسَّيِّئَةِ سَوَاداً فِي الوَجْهِ ، وَظُلمَةً فِيالقَبْرِ ، وَالقَلْبِ ، وَوَهْناً فِيالبَدَنِ ، وَنَقْصاً فِيالرِّزْقِ، وبُغْضَةً فِي قُلُوبِ الخَلْقِ"

(بلاشبہ نیکی کی وجہ سے چہرے میں ایک چمک، دل میں نور، رزق میں کشادگی، بدن میں طاقت اور مخلوق کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور گناہ کی وجہ سے چہرے میں سیاہی، قبر و دل میں ظلمت، بدن میں کمزوری، رزق میں نقصان اور مخلوق کے دلوں میں بغض پیدا ہوتا ہے۔) (الجواب الکافی: ۵۱)

اور سالم بن ابی الجعد کہتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آدمی کو چاہیے کہ وہ اس بات سے بچے کہ مؤمنوں کے دل اس پر لعنت کریں، اس طرح کہ اس کو پتہ بھی نہ چلے، پھر فرمایا: کیا جانتے ہو کہ یہ کس طرح ہوگا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، تو فرمایا:

" إِنَّ العَبدَ يَخْلُو بِمَعَاصِيِ اللهِ ، فَيُلْقِيِ اللهُ بُغْضَهُ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِيْنَ مِن حَيثُ لَا يَشْعُرُ "

(بلاشبہ بندہ، تنہائی میں خدا کی معصیتوں میں مبتلا ہوتا ہے، پس اللہ تعالی اس سے

بغض ونفرت مؤمنین کے دلوں میں ڈال دیتا ہے، اس طرح پر کہ اس کو اس کا شعور بھی نہیں ہوتا)(حلیۃ الاولیاء:۱/ ۲۱۵،الجواب الکافی:۵۳)

بغض وحسد، کینہ وعداوت

آج کل ہمارے معاشرے میں بڑی برائیاں جنم لے رہی ہیں جس کی وجہ سے پورا مسلم معاشرہ تباہ وبرباد ہورہا ہے، حسد کینہ بغض عداوت چغلی غیبت، چوری معمولی معمولی باتوں پر غصہ اور ذرا سے شبہ کی بنیاد پر ایک دوسرے سے بدظن اور بدگمان ہوجانا یہ شیطانی کام ہے، غصہ کا آنا برا نہیں ہے، غصہ تو آئے گا ہی لیکن غصہ پر کنٹرول کرنا یہ بلند ہمتی ہے، غصہ میں اگر آدمی کوئی کام کرتا ہے تو عموما اس کا نتیجہ صحیح نہیں ہوتا بلکہ پچھتانا پڑتا ہے، آج کل لوگ عورتوں کو معمولی معمولی باتوں پر طلاق دیدیا کرتے ہیں، دال میں نمک تیز ہوگیا تو طلاق، روٹی کچی رہ گئی تو طلاق، کھانا وقت پر تیار نہیں ہوا تو طلاق، اور جب طلاق دیدیتے ہیں تو روتے پھرتے ہیں اور مولوی صاحب کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی شکل بتاؤ جواز کی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، ان کی صحیح تربیت نہیں ہو پائے گی۔ مولوی صاحب تو وہی بتائیں گے جو شریعت میں ہے۔ اس لئے کوئی بھی کام کرو سوچ سمجھ کر کرو۔ اگر عورت سے غلطی ہوگئی تو وہ بھی تو انسان ہے صبر کرلو۔ کیا آپ ہر کام عورت کی خواہش کے موافق ہی کرتے ہیں۔ ایسا تو نہیں ہوگا، اس لئے اس شیطانی حرکت یعنی غصہ سے اپنے کو دور رکھیں اور عورت کیساتھ، بچوں کے ساتھ والدین کے ساتھ، احباء واقرباء کے ساتھ بلکہ عامۃ المسلمین کے ساتھ جس قدر ممکن ہو خیر خواہی کا ہی برتاؤ کریں۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص نے بدخواہی کی وہ مجھ سے علیحدہ

رہے، روایت کیا اس کو مسلم نے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: دین خیر خواہی وخلوص کا نام ہے۔

اگر بدخواہی میں بدگمانی بھی آ گئی وہ بھی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ"

اے ایمان والو! بچا کرو بہت گمان سے بیشک بعض گمان گناہ ہوتا ہے۔

مؤلف کا تعارف

نام : علاء الدین قاسمی بن الحاج حافظ حبیب اللہ صاحب

ولادت و پیدائش : مقام و پوسٹ: جھگڑوا، تھانہ جمال پور، وایا

گھنشیام پور، ضلع دربھنگہ بہار (انڈیا) 847427

ابتدائی تعلیم : ناظرہ، وحفظ، وقرأت قرآن شریف: مدرسہ عربیہ حسینیہ چلہ امروہہ ضلع مرادآباد یوپی۔

عربی اول : جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد (یوپی)

عربی دوم، سوم : مدرسہ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ (یوپی)

اعلیٰ تعلیم : عربی چہارم تا دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند

فراغت : ۱۹۹۱ء

بعد فراغت مصروفیات . . .

درس وتدریس : درجہ سوم تا ہفتم: مدرسہ حسینیہ شریوردھن کوکن مہاراشٹر

حرمین شریفین کی زیارت اور عملی سرگرمیاں: فریضۂ امامت اور جدہ اردو نیوز کے لئے کالم نگاری

موجودہ مصروفیات : خانقاہ اشرفیہ پالی کی ذمہ داری اور تصنیف وتالیف کے مشاغل۔